title. JAWAHAR - E - SUKHAN; YAANI URDU SHORA KE KALAAM KA INTIKHAB

Creator - Murattiba Mohd. Mubeen Kaifi Chiryakoti

Publisher - Hindustani Academy (Allahabad).

Date - 1933

Pages - 227.

Subject - Urdu Shayari - Intikhab.

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی، نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ' ایم-اے ' پی ایچ - ڈی '
نے نظرثانی فرمائی

۱۹۳۹ع
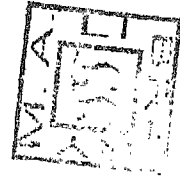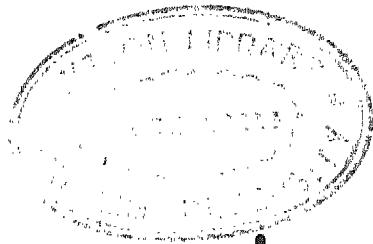
ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی، نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم-اے، پی ایچ-ڈی،
نے نظرثانی فرمائی

۱۹۳۹ء

ہندُستانی اکیڈیمی صُوبۂ متحدہ، الہ آباد

فہرست شعرا

چوتھے دور کی خصوصیات

اِس دور کے شعرا کو مولف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے - پہلا حصہ جواہر سخن کی یہ چوتھی جلد ہے ' جس میں لکھنؤ کے شعرا کو داخل کیا ہے اور دوسرا حصہ پانچویں جلد ہے جو دھلی کے شعرا پر مشتمل ہے - اگر چند باکمال شاعروں انیس ' دبیر ' غالب ' مومن ' ذوق سے قطع نظر کر لیا جائے تو عام طور سے اِس دور کی شاعری میں کوئی خاص ترقی نظر نہیں آتی -

اِس جلد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ مرثیہ ہے - مرثیے کی بنیاد اگرچہ میر امانی ' میر عاصمی ' رخشاں ' سکندر ' میاں مسکین ' افسردہ ' میر ضاحک ' مرزا سودا اور میر حسن کے زمانے سے پڑ چکی تھی تاہم اُس وقت تک اُس کا مقصد صرف رونا ' رلانا اور ثواب حاصل کرنا تھا - شاعری اور مضمون آفرینی ' اُس کا مقصود نہ تھی - سودا کے زمانے تک مرثیے کا یہی حال رہا -

میر ضمیر نے مرثیے کے مضامین میں اِضافہ کیا ' کلام میں زور ' بندش میں چستی اور صفائی پیدا کی ' شاعرانہ اِستدلال کے نمونے پیش کیے ' نئی نئی تشبیہیں ' اِستعارے ' سلیقے سے نظم کیے - معرکۂ کار زار کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ' تلوار اور گھوڑے کی تعریف میں خاص اِہتمام کیا - پہلے مرثیہ ' تیس ' چالیس یا پچاس بند تک ہوتا تھا - اِنہوں نے تمہید لکھی ؛ چہرہ باندھا ' سراپا لکھا ' میدان جنگ کا نقشہ کھینچا اور شہادت کے بیان پر مرثیے کو ختم کیا - میر خلیق نے بیان کی صفائی اور محاورے کی صحت پر سب سے زیادہ توجہ کی ' اور درد و اثر پیدا کیا - اِسی زمانے میں غزل کے انداز پر سلام اور غزل مستزاد کے اُسلوب پر نوحہ کی بنیاد پڑی ؛ سلام اور مرثیوں میں مصائب ' فضائل ' اور معجزات کی روایتیں ' صفائی ' سلاست اور سادگی کے ساتھ بیان کی جانے لگیں [۱] -

میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیے کے میدان کو بہت وسیع کر دیا ' بنیاد پڑ چکی تھی اور عمارت بننے لگی تھی ' اُس کی تکمیل میر انیس اور

---

[۱] — آب حیات ص ۳۸۰ ' ۳۸۱ و تاریخ ادب اُردو ص ۳۱۴ -

مرزا دبیر کے ہاتھوں ہوئی - انہوں نے اپنے مرثیوں میں واقعات کے تسلسل ' محاکات کی بلندی' طرز بیان کی دلکشی ' مناظر قدرت کی مصوری ' جذبات نگاری اور زور بیان کا ایک ایسا درخشاں نمونہ پیش کیا ہے جو اُردو شاعری میں گراں بہا اضافہ ہے اور اِس دور کی کامیابی کی زندہ شہادت - مناظر قدرت میں صبح کا سماں ' طلوع آفتاب ' شام کا سہانا وقت ' چاندنی کا لطف ' سبزے کی بہار - معرکۂ جنگ میں مبارزوں کی رجز خوانی ' حملہ آوروں کے حملے ' پہلوانوں کی لڑائیاں' لڑائی کا سامان تلوار اور گھوڑے کی تعریف' غرض صدہا مناظر ' سیکڑوں جگہ دکھائے گئے ہیں اور ہر جگہ تشبیہ و تخیل نئی ہے - بہ حیثیت مجموعی دور از کار تخیل اور بےجا اِغراق کو بہت ہی کم دخل دیا ہے - صنائع و بدائع بڑی خوبی سے استعمال ہوئے ہیں- کلام صاف' سلیس اور رنگین ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم سے بھرا ہوا ہے -

اِس دور کی غزل سوز و گداز ' مضامین تصوف اور تشبیہات و اِستعارات سے خالی نہیں ہے اور فطری اور اخلاقی مضامین بھی اُس میں ادا کیے گئے ہیں ' لیکن خیالات اور موضوعات کا بہت کم اضافہ ہوا -

قصیدے میں غلو اور بےجا مبالغے کے بجائے تشبیب کا غلبہ ہے- '' آسی '' نے قصائد میں مسائل تصوف کو بیان کیا ہے - '' گویا '' اور '' قدر '' بلگرامی نے زبان کی خوبی خاص طور پر پیش نظر رکھی ہے -

مثنوی میں سلاست و روانی' مضامین کی خوبی سے زیادہ ہے - زیادہ تر مثنویاں ' سحرالبیان کی تقلید میں لکھی گئی ہیں' لیکن سحرالبیان کے مقابلے میں' سادگی' صفائی اور شعریت اِن مثنویوں میں کم ہے -

رباعی میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی - البتہ میر انیس اور مرزا دبیر نے مذہب عقائد فلسفے اور فطرت کے مختلف مسائل پیش کیے ہیں اور اُن کی رباعیوں میں تشبیہیں' استعارے' زور تخیل' مضمون آفرینی اور بلندی مضامین سب کچھ موجود ہے -

مسلسل نظمیں بھی لکھی گئیں جو واقعات پر کم اور نتیجہ خیز اخلاقیات پر زیادہ مبنی ہیں- '' منیر '' نے اپنے واقعات مصائب بھی مختلف عنوانات سے لکھے ہیں - اِن تمام نظموں میں بندش کی چستی اور طرز ادا کی خوبی کا لحاظ رکھا گیا ہے -

محمد رفیع

گویا

حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں "گویا" قوم افغان (آفریدی) لکھنؤ کے اُمرا میں سے تھے - ابتدا سے شاعری کا شوق تھا - ناسخ کے شاگرد تھے اور خواجہ وزیر سے بھی اصلاح لیتے تھے - ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی - انوار سہیلی کا ترجمہ "بُستان حکمت" اور ایک دیوان اِن سے یادگار ہے - اِنھوں نے اپنا دیوان ۱۲۴۲ھ میں مرتب کیا تھا جو ۱۸۸۸ع میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا [۱] -

کلام سے مشاقی کا اندازہ ہوتا ہے - آورد کے ساتھ آمد کا بھی کچھ رنگ ہے - اکثر اصناف میں یکساں روانی کے ساتھ لکھتے ہیں -

غزلیات

خوں روؤں چشم زخم سے میں تیری یاد میں
یارب ' نشانہ ہوں تری اُلفت کے تیر کا
پاپوش جس کے سر پہ رکھی بادشہ ہوا
اللہ رے ' مرتبہ ترے در کے فقیر کا

کوئی مجھ سا دیوانہ پیدا نہ ہوگا　　ہوا بھی ' تو پھر ایسا رسوا نہ ہوگا

آپ سے جب گذر گئے ' پہنچے　　یاد ہے راستہ ترے گھر کا

تجھ سا کوئی نہیں گل رعنا　　چمن روزگار کو دیکھا
نہ اُسے لاسکے تو مرگئے آپ :　　جبر اور اختیار کو دیکھا
اپنی غفلت ہے عین ہُشیاری ؛　　خواب میں ہم نے یار کو دیکھا

---

[۱]—تاریخ ادب اُردو ج ۲ ' ص ۲۰ -

موت آئی مگر نہ یار آیا : اثر انتظار کو دیکھا

نہ آئے آپ میں ہم ' یار پھر گیا آکر : مزاج اپنا یہ خود رفتگی پسند ہوا
شراب پی کے میں' اے محتسب' دعا دوں گا جو روزِ جمعہ درِ میکدہ نہ بند ہوا
اُٹھا جو بزم سے ساقی پکڑ لیا دامن میں آج دستِ سبو کا نیازمند ہوا

زاہد نے طوف حرم کا کیا ' ہندو نے بُت کو سجدہ کیا
ناکام وہ ہوں مجھ سے " گویا " یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

چشم جاناں کو دل زار نے سونے نہ دیا
رات بیمار کو بیمار نے سونے نہ دیا
وصل میں آنکھ لگی تھی کوئی دم' اُس کے عوض
عمر بھر چرخ جفا کار نے سونے نہ دیا

تھا جو اُفتادگی شعار اپنا نہ زمیں سے اُٹھا غبار اپنا

ہاتھ میں سبحہ تو زنّار رہا گردن میں ہم سے آزردہ دلِ گبر و مسلماں نہ ہوا
اِس تمنا میں ہم' افسوس' ہوئے سودائی' تیرے ہاتھوں سے مگر چاک گریباں نہ ہوا
مرضِ عشق مرا دیکھ کے عیسیٰ نے کہا : ہے یہ وہ درد کہ جس کا کبھی درماں نہ ہوا

نہ آنے کا ترا شکوا عبث ہے کبھی میں آپ میں آیا تو ہوتا
اگر آنکھیں ہمیں دی ہیں خدا نے کبھی اُس بُت کو دکھلایا تو ہوتا

کہتا ہے مسیح' جن کو جاں بخش اُن ہونٹوں نے ' آہ ' ہم کو مارا

توڑ سکتے نہیں اِک تار بھی اب ضعف سے ہم
چاک کرتے تھے کبھی اپنا گریباں کیسا

ناز و غمزے نے ' چشم و ابرو نے اِنھیں دو چار نے ہمیں مارا
دعویِ خوں بہا کریں کس سے ؟ چشمِ میخوار نے ہمیں مارا

ہم کو شبِ وصال میں بھی غم ہوا نصیب :
دھڑکا یہی رہا کہ کہیں ہو نہ جائے صبح

اُس کے ہوں کافر و دیندار نہ کیوں پروانے ؟
کہ چراغِ حرم و شمعِ کلیسا ہے وہ رُخ

خدا سے کم ، زیادہ سب سے کہیے : یہی کلمہ ہے شایانِ محمد

ہر روش : خاک اُڑاتی ہے صبا میرے بعد
ہوگئی اور ہی گلشن کی ہوا میرے بعد
کیا ہی مرنے سے مرے شاد ہیں اللہ اللہ ،
بُت کیا کرتے ہیں اب شکرِ خدا میرے بعد
اُٹھ گیا صفحۂ ہستی سے نگیں کی صورت
نہ رہا میں ، تو مرا نام رہا میرے بعد

دعائیں مانگی ہیں مدتوں تک جھکا کے سر ، ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر ،
ہوا ہوں تب میں بتوں کا بندہ ، خدا خدا کر ، خدا خدا کر

آخر ترے فراق میں میرا ہوا وصال دیکھا نہ شامِ ہجر نے روے سحر ہنوز

کچھ نہ پوچھو ہم سے ، جو اُٹھا شکر رنجی میں لُطف ؟
سمجھے ہیں قندِ مکرّر یار کی تکرار ہم

نقشِ پا کی طرح مٹ کر پائمال ، اب تو ، او ظالم ، مٹے جاتے ہیں ہم
جلد دنیا سے اُٹھا لے ، اے فلک ، چشمِ عالم سے گرے جاتے ہیں ہم
ایک خوش آتی نہیں تیرے بغیر ، لاکھ شکلیں دل کو دکھلاتے ہیں ہم
اور کچھ حاصل نہیں ، پر نام کو عاشقوں میں تیرے کہلاتے ہیں ہم

آنکھ مجھ سے پھیر کر کہتا ہے وہ : گردشِ ایام دکھلاتے ہیں ہم
تونے نظروں سے گرایا کیا ہمیں ، سب کی نظروں سے گرے جاتے ہیں ہم
ایسی خوش آئی ہے از خود رفتگی آپ میں برسوں نہیں آتے ہیں ہم
یہ غضا لکھی تھی کیا تقدیر میں ؟ کیوں ، فلک ، یوں ٹھوکریں کھاتے ہیں ہم ؟

دل ہے آئینہ وہ ہے پرتو فگن : یار کو آغوش میں پاتے ہیں ہم

ناتوانی یاں پرِ پرواز ہے رنگِ رُخ کے ساتھ اُڑ جاتے ہیں ہم
دیکھیے اب شام غربت کیا دکھائے رخصت، اے صبحِ وطن، جاتے ہیں ہم

وہ نہ اپنا ہوگا ، گر سر کاٹ کر دکھلائے کوئی ،
پانو پڑ کر کس لیے اب دردِ سر پیدا کروں ؟

نہ مر کے بھی تری صورت کو دیکھنے دوں گا
پڑوں گا غیر کی آنکھوں میں، وہ غبار ہوں میں

زندۂ جاوید ہونے کی تمنا ہے اگر ،
پہلے مرنے سے ملاوے آپ کو تو خاک میں

اپنی مژہ پہ لخت جگر یوں ہے جلوہ گر : روشن چراغ جیسے لب آبجو کریں

جو ہمیں بھول گیا ہے ظالم ، اُس کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
ہم بنے چاند کے ہالے " گویا "
گرد اُس مہ کے رہا کرتے ہیں

وصل اگر منظور تھا پرویز کا گھر کھودتا
کوہ کن دیوانہ ہے شیریں تو پتھر میں نہیں

پڑا ہے اِس پہ تو زلفِ درازِ یار کا سایہ
قیامت تک شبِ فرقت سحر ہووے تو میں جانوں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے، جب سے تُو نہیں،
ہجر میں بھی ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

یہی کہہ کہہ کے ہجرِ یار میں فریاد کرتے ہیں
وہ بھولے ہم کو بیٹھے ہیں جنہیں ہم یاد کرتے ہیں

سمجھ کر چھیڑ، او مشاطہ، اُس کی زلف پُرخم کو،
نہ برہم کر ، خدا کے واسطے ، اسبابِ عالم کو
چلے ہیں کوچۂ جاناں میں آہِ آتشیں کرتے :
لیے جاتے ہیں اپنے ساتھ جنت میں جہنم کو

فلسفہ کوئی کہتا ہے، کوئی وہم، دہن کو
کچھ منہ سے تو بولو کہ یہ عقدہ کہیں حل ہو

دیکھ، اے مجنوں، مری فریاد کی تاثیر کو
دیدۂ گریاں بنایا حلقۂ زنجیر کو

یاں شکوۂ قاتل سے نہ آلودہ زباں ہو، جو زخم لگے وہ پۓ شکرانہ دہاں ہو
وہ کون سی جا ہے کہ نہیں جلوہ نما تم تسپر نہیں معلوم کہ کس جا ہو، کہاں ہو

کوستے ہو جو ہاتھ اُٹھاکر تم اپنے نزدیک تو دعا ہے یہ

کیا ہی، نامِ خدا، ہے میرا صنم بُت جسے کہتے ہیں خدا، ہے یہ

دل بھی اُس سے اُٹھا نہیں سکتے: ناتوانی سی ناتوانی ہے!

تجھ سے مغرور کی جھکی گردن: یہ بھی اِک شان کبریائی ہے
آپ کو جانتا ہے آئینہ: صاف یہ اُس کی خود نمائی ہے
حُسن نے ملکِ دلِ کیا تاراج، حضرتِ عشق کی دُہائی ہے

اُلفت یہ چھپاؤں ہم کیسی کی: دل سے بھی کہیں نہ اپنے جی کی
ٹھکرا کے چلے جبیں کو میری: قسمت کے لکھے نے یاوری کی

جو پنہاں تھا وہی ہر سو عیاں ہے یہ کہیے لن‌ترانی اب کہاں ہے؟

حسرتِ دیدار نے مجھ کو کیا یہ بدحواس:
جستجو تیری رہی گو تو نظر آیا مجھے
اُٹھ کے اُس پہلو میں تو بیٹھا تو، فرطِ شوق سے،
دل بھی اِس پہلو سے اُس پہلو نظر آیا مجھے
بعد مرنے کے گریبانِ کفن ثابت رہا
ہاتھ اپنا آج بے قابو نظر آیا مجھے

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے؟ کہ دستِ دعا آج دستِ سبو ہے
گلستاں میں جاکر ہراک گل کو دیکھا؛ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے
نہ ہوگا کوئی مجھ سا محوِ تصور؛ جسے دیکھتا ہوں، سمجھتا ہوں تو ہے

نہ ہو وصل تو رات دن ہے برابر؛ سحر کی، نہ کچھ شام کی، آرزو ہے
کسی گل کے کوچے سے گزری ہے شاید؛ صبا، آج جو تجھ میں پھولوں کی بو ہے

تم وفا کا عوض جفا سمجھے اے بتو، تم سے بس خدا سمجھے
دوڑے کیا ہو کے خوش سوے مقتل: اُس کے ہم گھر کا راستا سمجھے
جو ہے بیگانہ، آشنا ہے وہ: ہم جو کہتے ہیں، کوئی کیا سمجھے؟

کہو اُس برق وش سے آج لازم ساتھ جانا ہے؛
جنازے پر ہمارے ابر رحمت شامیانا ہے
گریباں پھاڑ کر دست جنوں سے ہوگی کب فرصت؛
ابھی تو دامنِ صحرا کے بھی پرزے اُڑانا ہے

ہوں میں وہ بلبل کہ مثلِ طائر قبلہ نما
ملہ قفس میں بھی نہ پھرا خانۂ صیّاد سے

عاشق کی آہ جائے گی اب عرش کے پرے، زلفِ دراز بڑھ گئی قدِ بلند سے
ہے آہِ بیکساں کی رسائی، خدا تلک چڑھ جائیے فلک پہ، دلا! اِس کمند سے

مآلِ عاشق و معشوق ہے ایک: سنا ہے شمع سوزاں کی زبانی
نہیں بچتا ہے بیمارِ محبت:
سنا ہے ہم نے "گویا" کی زبانی

دم آیا میری آنکھوں میں، نہ آئے تم، نہ آئے تم
اجل بہتر ہے اِس ہر روز کی اُمیدواری سے

مرے گھر سے چلا وقتِ سحر جب وہ بُتِ کافر
خدا کو بھی نہ سونپا میں نے؛ یاں تک بدگمانی ہے

ہمیں اِس قیدِ الم سے تو رہائی ہوتی: شبِ ہجراں کے عوض موت ہی آئی ہوتی
بخدا، آتی اگر بندہ نوازی تم کو؛ اے بتو، پھر میں تمہارے ہی خدائی ہوتی

راہ دکھلائی قیامت وعدۂ دیدار نے: رات دن ہے انتظارِ آمد محشر مجھے

خاک میں جو ملادیا مجھ کو : آسماں نے زمیں کو سونپا ہے
کہہ رہے ہیں شبِ فراق میں ہم : آج کس کو اُمیدِ فردا ہے ؟

مطرب نے ہجرِ یار میں چھیڑا اُسے اگر آواز گریہ آئےگی پھر تارِ چنگ سے

مرگئے ہم ' تو صبا لائی جوابِ نامہ وہ ہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

نہ آسماں کے ہوئے اور نہ ہم زمیں کے ہوئے
جو تیرے دل سے گرے ہم نہ پھر کہیں کے ہوئے

پھر کہیں چھپ چھپ کے ہم جانے لگے؛ لوگ پھر آ آ کے سمجھانے لگے

دل سے داغِ عشق پیری میں مٹایا چاہیے:
صبح ہو ' تو شمعِ روشن کو بجھایا چاہیے

ہیں سبکدوش، سدا قیدِ الم سے آزاد؛ کب گرفتارِ قفس ' مرغِ نظر ہوتا ہے ؟

لگاکر دل بُتِ ناآشنا سے محبت ہم پھر گئے اپنے خدا سے
مسلماں بھی کریں سجدے بتوں کو دعا مانگی تو یہ مانگی خدا سے

ہوں وہ مجرم ' کانپتا ہے خوف سے سارا بدن
ہاتھ اُٹھاتے شرم آتی ہے دعا کے واسطے

قصائد

حضرت علي كي منقبت ميں

ریاض دہر میں ہے بعد رنج ' راحت بھی
کہ پھول کھلتے ہیں ' ہوتا ہے جب کلاب قلم
یہی اشارہ ہے اب چشمِ مستِ ساقی کا
کہ وصفِ کشتیِ مے میں چلے شتاب قلم
عروسِ فکر اُٹھادے اب اپنے منہ سے نقاب
ہوا نکل کے قلمداں سے بے حجاب قلم

اگر لکھوں تیرے دریاے فیض کی تعریف
روان ہو صفحے پہ مانند موج آب قلم
شہا ! یہ تیری عدالت کا گرم ہے بازار
کبھی ہوا نہ سر شمع ماہتاب قلم

نصیرالدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

برنگِ گل جسے اب دیکھیے وہ خنداں ہے
بہار عیش سے ہندوستاں گلستاں ہے
بنایا ہند کو گلشن ! بہار نے ایسا
کہ شوقِ سیر میں سروِ چمن خراماں ہے
بہار ' باغ میں کیا کیا کھلا رہی ہے گل
شگفتہ غنچۂ منقار عندلیباں ہے
چمن میں کیجے اشارہ جو سوے نخل حنا
تو ساتھ اشارے کے اُنگلی برنگ مرجاں ہے
ریاضِ دہر میں پھریے تو سائے کی صورت
مرادِ دل عقبِ آرزو شتاباں ہے
چمن میں بات جو کیجے تو منہ سے پھول جھڑیں
اب اِن دنوں میں یہ فیضِ بہارِ بُستاں ہے
زمین پہ دانہ جو پھینکا تو گر کے نخل ہوا
نمو کی سعی سے صیّاد سخت حیراں ہے
گرا زمیں پہ اگر کوئی موتیے کا پھول
صفا سے گوہر غلطاں کی طرح غلطاں ہے
کہیں ہے آئنے سے صاف تر زمینِ چمن
کہ اُس سے سبزۂ نارستہ تک نمایاں ہے
نہال گلشن تصویر بھی ثمر لائیں
بہار کا چمنِ دہر میں یہ فرماں ہے
ہے شوقِ گل میں عجب رنگ آج غنچوں کا
جو دیکھیے تو گریباں بھی شکلِ داماں ہے

غازی الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

خیال نرگس میگوں جو تھا دم تحریر ،
ہوئی ہے قلقل مینائے مے ، قام کی صریر
وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر
پلایا ہے مجھے طفلی میں دختِ رز نے شیر
خیالِ سلسل خط میں چلوں جو میں وحشی
قلم کی طرح ، مرے نقش پا بنیں زنجیر
زباں سے گو نہ کہا حـــال ناتوانی کا
شکست رنگ سے کرتا رہا ہوں میں تقریر
فتـــادگی مری منظور کلک قدرت تھی
جبیں نقش قدم پر لکھـــا خط تقدیر
وہ شوخ طفلی میں کرتا تھا مشق بہتاں کی
صریر کلک پہ رکھتا تھا تہمت تقـــریر
نظر پڑی ترے بسمل کی جب سے بیتابی
مژہ کی شکل ہے جنبش میں جوہر شمشیر
فلک کے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی
ہمـــارے تیـــر سے صیـــاد ہوگیا نخچیر
رقیب دیکھ کے کٹتے ہیں اس لئے ہم کو
کہ آب تیغ سے اپنی ہوئی ہے خاک ، خمیر
مرے سبب سے جنوں کا ہے سلسلہ باقی
قـــدم سے ہے مرے آباد ، کوچۂ زنجیـــر

یہ ہے ترے در دولت کی خاک کی تاثیر
کہ جس فقیر کو دیکھو ہے صاحب اکسیر
لکھے گا منشیِ گردوں کچھ اپنا حال تجھے
ترا وہ رتبہ ہے ، اے آفتـــاب عالمگیر ،

اُٹھـــاؤں پھر دعـــا ہاتھ اپنے اے مولا ،
کہ تو ہے شاہ زمن ، میں ہوں تیرے در کا فقیر

الٰہی تا رہے قائم یہ آسمان و زمیں
الٰہی تا کہ رہے آفتاب و ماہ منیر
فلک پہ تا رہیں اختر، زمیں پہ آدم زاد
الٰہی تا کہ رہے برق و رعد و ابر مطیر
مژہ کو تیر کہیں اور کمان ابرو کو
ہمیشہ یار کی زلفوں کو تا لکھیں زنجیر
نگاہ یار ہو یارب، بلائے جاں جب تک
سواد چشم پری تا ہو سرمۂ تسخیر
کمان چرخ، ترے دوست کی ہو حلقہ بگوش
ترے عدو کو لگائے شہاب ثاقب تیر
الٰہی شرق سے تا غرب تیرا حکم رہے
کہا کریں تجھے سب آفتاب عالمگیر

تری بہارِ کرم کا ہے فیض عالم پر — کہ پھول تو رکھتی ہے تلوار اور پھول سپر
ہر ایک، فیض سے تیرے ہے زندۂ جاوید — یہ کیا ہے دخل اوس کی ہو یکدم جز کوثر
فقیر، در پہ ترے جو گیا پلا وہ غنی — کہ تیری خاک قدم میں ہے کیمیا کا اثر
نسیم صبح کو گر حکم ہو حفاظت کا — نہ چاک ہووے گریبان غنچہ بار دگر

ترے سحابِ کرم کا جو دشت میں ہو گذار
تو شاخیں آہوؤں کی سبز ہو کے لائیں بار
زمیں پہ ہاتھ جو تو دھووے، اے سحابِ کرم،
تو آب، خاک کو کردے طلائے دست افشار
جہان و اہل جہاں، تیرے زیر دست ہیں سب
زمیں پہ دست سخاوت ترا ہے ابر بہار
ہے ایک آفتابہ بردار تیرا اسکندر
مثال قیصر و خاقاں ہیں تیرے خدمتگار
جو بیٹھے تخت پہ تو سب کہیں سلیماں ہے
ہوں دست بستہ کھڑے انس و جن یمین و یسار
اگر بلندیِ اقبال کا نظارہ کرے
سر فلک سے گرے آفتاب کی دستار

سلام

کہا حضرت نے پانی فوج کو میری نہ دیں ظالم
یہ پیاسے وہ نہیں جو پیتے ہیں آب تیغ و خنجر کو
فرشتوں نے کہا شبیر کا سر دیکھ نیزے پر
شہیدوں کا کیا سردار ' حق نے ابن حیدر کو

سمجھ کے پانی بلکتا تھا اصغر بے شیر　　جو اشک بہتے تھے بانو کے دیدۂ تر سے
پیادہ لے گئے تا شام اُس کو کرکے اسیر　　محال اُٹھنا تھا جس ناتواں کا بستر سے

شقی یہ کہتے تھے پیدل ہی لے چلیں گے ہم　　علی کا پوتا ہے بیمار و ناتواں کیسا

دل ٹکڑے ہوا ' یاد مجھے آگئے عابد　　جس وقت کوئی چاک گریباں نظر آیا
نیزوں میں گھرا دیکھ کے اکبر کو شہ دیں　　فرمانے لگے : شیر نیستاں نظر آیا

جب تیر کھا کے اصغر بے شیر مرگیا '　　گودی کو خالی دیکھ کے بانو نے یہ کہا :
یا شاہ دیں ' بتاؤ مرا لال کیا ہوا ؟　　اصغر کو لاؤ ' خالقِ اکبر کے واسطے

رتبہ نہ کیوں بلند ہو میرے سلام کا　　ہوں مجرئی حسین علیہ السلام کا
ہاتف نے کی ندا کہ سخی کا ہے سربلند　　نیزے کی نوک پر جو چڑھا سر امام کا

مخمس

بغیر خواب عدم ' شاہ نے نہ خواب کیا '　　سوائے آب دم تیغ ' ترک آب کیا
گلا کٹا دیا ' ہرگز نہ اضطراب کیا ؛　　سلام اُس پہ جسے حق نے کامیاب کیا
جہاں میں شاہ شہیداں ' عطا خطاب کیا

قلق

آفتاب الدولہ خواجہ ارشد علی [۱] خاں "قلق" خواجہ بہادر حسین "فراق" کے بیٹے، لکھنؤ کے رہنے والے خواجہ وزیر کے بھانجے اور شاگرد تھے [۲]۔ عرصے تک واجد علی شاہ کے مصاحب خاص رہے۔ جب وہ لکھنؤ سے کلکتے آئے تو "قلق" بھی اُن کے ساتھ تھے۔ اِن کی مثنوی "طلسم اُلفت" مشہور ہے۔ دیوان "مظہر عشق" کے نام سے مطبع نولکشور کانپور (۱۳۲۹ھ) میں چھپ گیا ہے، جو تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔ ۱۲۸۱ھ کے بعد وفات پائی۔

غزل میں خواجہ وزیر سے علیحدہ آمد کی شان رکھتے ہیں، جرأت کی طرح معاملہ بندی کی جھلک موجود ہے، زبان کی سلاست کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ غزل کی طرح اور اصناف میں بھی اِن کا رنگ یکساں ہے۔

غزلیات

صدائے آہ ہے مضراب غم کی چھیڑ سے پیدا
دل نالاں نیا پردہ ہے قانون محبت کا
کھلا ہے آبیاریِ سرشک غم سے سینے میں
مرے گلشن میں لالہ نام ہے داغ محبت کا

---

[۱]—سخن شعرا میں خواجہ اسداللہ نام لکھا ہے، لیکن یہ عرف ہے۔
[۲]—سخن شعرا و تاریخ ادب اُردو ج ۱، ص ۳۰۶۔

تھا قصد قتل غیر، مگر میں طلب ہوا :
جلاد مہربان ہوا ؛ کیا سبب ہوا ؟
روکے تھے عقل و ہوش ہی کو ہم تو عشق میں
لو اب تو دل سے صبر بھی رخصت طلب ہوا

پامال ہوں کے یار کی رفتار ناز سے   مضموں کھلا یہ آج خطِ سر نوشت کا

یہ محو بےخودی دل ذی ہوش ہوگیا :   دونوں جہاں کا لطف ، فراموش ہو گیا

اُٹھایا جب دوئی کا اتحادِ عشق نے پردہ
تو عالم چشمِ مجنوں میں ہوا لیلیٰ کے محمل کا

اظہار عشق، رنگِ رُخِ زرد نے کیا   بندے پہ اتہام ہے اِفشائے راز کا
ہوگئی قضائے عمر، ادا، اپنی زیر تیغ   آیا ہے آج وقت ہماری نماز کا

مژدہ ، اے دل ، کہ بس اپنی اجل آ پہنچی
حسرت ، اے جان ، کہ ہم سے در جاناں چھوٹا

جوم لیں نشے میں آج اُن کی نشیلی آنکھیں
عین بے ہوشیِ لذت میں بھی ہشیار رہا

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا   بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا
الٰہی خیر ہو کچھ آج رنگ بدتر ہے   تڑپ رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا
پھرا جو کوچۂ قاتل سے کوئی، پوچھیں گے   سنا ہے لٹ گیا رستے میں قافلہ دل کا
وہ ظلم کرتے ہیں ہم پر تو لوگ کہتے ہیں   خدا برے سے نہ ڈالے معاملہ دل کا
ہزار فصل گل آئے، جنوں، وہ جوش کہاں؟   گیا شباب کے ہمراہ ولولہ دل کا

پوچھا صبا سے اِس نے پتا کوے یار کا   دیکھو ، ذرا شعور ہمارے غبار کا !

دور آخر میں مجھے جام دیا ، اے ساقی ،
بارے صد شکر کہ اب بھی میں تجھے یاد آیا
سچ تو ہے حضرتِ انساں ہے عجب خود مطلب
جب دیے رنج بُتوں نے تو خدا یاد آیا

چار دن بلبلِ بےکس نہ رہی بے کھٹکے
کبھی گل چیں جو گیا باغ سے صیاد آیا

کسی نے بعد ہمارے نہ بادہ خواری کی
تباہ رند رہے ' میکدہ خراب رہا

دم کی آمد شد نے وقتِ نزع یہ دھوکا دیا:
طائرِ جاں پر ' گمان نامہ بر ہونے لگا

پوچھا نہیں ہے گریۂ شبنم دمِ سحر
لبریز ہو چکا ہے پیالا گلاب کا

پھری ' جگر سے داغِ محبت مٹانے کی
آیا قریب وقت غروبِ آفتاب کا

ہم نے اِحسان اسیری کا نہ برباد کیا
مرتے دم منہ طرفِ خانۂ صیاد کیا

کیا تری یاد کریں گے ' فلکِ نا انصاف '
دلِ ناشاد ہمارا نہ کبھی شاد کیا

کفر و اسلام کے جھگڑوں سے چھڑایا ' صد شکر!
قیدِ مذہب سے جنوں نے مجھے آزاد کیا

صاف لکھ بھیجا جواب اُس نے مری تحریر کا
لو لفافہ کھل گیا سارا خطِ تقدیر کا

جان بچ جائے جو دیدار دکھا دے اپنا
چشمِ بیمار سے سائل ہوں ' مسیحائی کا

اپنے بیمارِ محبت کا کیا خوب علاج
اِسی منہ پر تمہیں دعویٰ ہے مسیحائی کا

منزلِ شوق میں کیا عشق نے کی راہزنی
قافلہ لوٹ لیا صبر و شکیبائی کا

کیا کیا نہ اپنے عشق پہ ہم کو غرور تھا
ہمت کا زاہدوں کی سراسر قصور تھا

لاکھ دل عشق میں ساقی کے سنبھالا لیکن
نشۂ بادۂ اُلفت نے سنبھلنے نہ دیا

یاں عشقِ مجازی میں حقیقت پہ نظر ہے
بت پوجتے ہیں کوئی پرستار محبت کا

کر دیا دل نے ہمیں موردِ الزام عبث
وہ ہمارے نہ ہوئے ہم ہوئے بدنام عبث

بے سبب یہ نہیں سرگوشیِ اربابِ فساد
عشق صادق کا مرے فاش ہوا راز کچھ آج

دو روزہ عمر، قفس میں کٹی کہ گلشن میں
ہر ایک طرح سے ہوجائے گی بسر، صیاد

ہے زاہدوں کو مزد عبادت کی چشم داشت،
میری نظر ہے اُس کی کرم کی نگاہ پر

اِن واعظوں کی ضد سے ہم اب کی بہار میں
توڑیں گے توبہ پیر مغاں کی دکان پر

بے ابر رند پیتے نہیں، واعظو، شراب
کرتے ہیں یہ گناہ بھی رحمت کے زور پر

حسرتِ قتل میں مرتا ہوں تامّل کیا ہے
بے گناہی پہ نظر کچھ مری، جلاد، نہ کر

واعظ ہے اِن میں صاحب کیفیت ایک ایک
کیا پوچھتا ہے حال مریدان میفروش؟

اے گل، کہاں سے لائیے گی ایسا بہار کا رنگ — بلبل، ہزار اُڑائے مری داستاں کا رنگ

تری بندگی اور سہہ کار مجھ سا! — یہ سر اور ترے آستانے کے قابل!

آکے ہستی میں عدم سے کرچلے کیا کام ہم — اپنے ذمے لے چلے اِک مفت کا الزام ہم

ابتدائے محبتِ دل کی — یہ نہ تھی ہم کو انتہا معلوم

نگاہ پاک سے روئے نگار دیکھتے ہیں — بتوں میں قدرت پروردگار دیکھتے ہیں

قاتل، ہمارا جیتے جی ہوتا نہ فیصلہ — پڑتی نہ تیری تیغ اگر درمیان میں

وہ مے پرست ہوں میں جہان خراب میں — دیتا ہوں نقد ہوش، بہائے شراب میں

اعجاز ہے کہ سحر ہے چشم سیاہ میں
سو سو مزے ہیں یار کی اک اک نگاہ میں

لکھی تھی کس مزے کی فقیری نصیب میں
بستر لگائے بیٹھے ہیں کوئے حبیب میں

تمیز اگر رہے نہ تجھے خوب و زشت میں   آئے جمالِ یار نظر سنگ و خشت میں
حوروں سے بھی ترا ہی پتا پوچھتے پھرے   اے کوئے یار، تجھ کو نہ بھولے بہشت میں
حوروں کا ہو گیا ہے تماشا ترا شہید   میلا لگا ہوا ہے ریاض بہشت میں

تو ہی منصف ہو کچھ، اے موسمِ پیری لِلّٰہ   نوجوانی کے مزے یاد کروں یا نہ کروں

دل جلانے کو مرا ٹھنڈی ہوائیں آئیں   بوند گئیں مے کی دکانیں تو دکانیں آئیں

دیر و حرم میں سر وہ جھکائیں محال ہے   جو سجدے کرنے والے ترے آستاں کے ہیں
پوچھو نہ کچھ خرابہ نشینوں کا حالِ زار   ہم خاک میں ملائے ہوئے آسماں کے ہیں

بہارِ عیش ہوتی ہے خزاں، پیری ہے آنے کو:
جوانی روٹھی جاتی ہے، کہیں کس سے منانے کو؟
مری بےخان و مانی کچھ نہ پوچھو، میں وہ بلبل ہوں
جگر دل میں گلوں کے ڈھونڈتا ہوں آشیانے کو

کہہ دوں ابھی، معاف جو میرا قصور ہو: کہنے کو آدمی ہو، مگر رشکِ حور ہو

جان دینے میں تو، اے ہمنفسو، باک نہیں   پاس اتنا ہے کہ رسوائیِ صیاد نہ ہو

لائی تو ہے اڑا کے صبا کوئے یار سے   ڈر ہے نہ میری خاک کی مٹی خراب ہو

کہتے ہیں طالبِ دید، ایک نظر دیکھیں تو،
ترچھی نظروں ہی سے دیکھیں وہ اِدھر دیکھیں تو،

پھر دل میں کر کے سیر دلِ داغدار دیکھ؛   اے جان، خانہ باغ کی آ کر بہار دیکھ
ہے نورِ حسن، مانعِ دیدار روئے یار   آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں: اسے بار بار دیکھ

جان بیچیں، نہیں پاتے ہیں خریدار ایسا
سر بکف پھرتے ہیں، ملتا نہیں جلّاد کوئی

لے گیا عشق بتاں پھیر کے، واعظ، سوئے دیر
طرف کعبہ جو، اے قبلۂ حاجات، چلے

پروانہ بن کے صدقے ہو روے نگار کے   کہہ دو یہ شمع سے سر محفل پکار کے

پہلو میں مجھ حزیں کے تڑپتا ہے رات دن
یارب ' یہ دل ہے یا کوئی پھوڑا بغل میں ہے ؟

چشم باطن' اگر اعجاز تصور سے کھلے '   بند آنکھیں رہیں اور اُن کا نظارا کیجے

یگانہ اِن کا بیگانہ ہے ' بیگانہ یگانہ ہے ؛   خدائی سے نرالا اِن بتوں کا کارخانہ ہے

طلسم نوجوانی تھا عجب اِک وقت ' او پیری '
زمانہ خود فراموشی کا اپنی یاد کیا کیجے ؟

اُٹھ کے اِس کوچے سے ' جاکر کہیں ہم کیا کرتے ؟
در ترا ہوتے ہوئے طوف حرم کیا کرتے ؟
جانتے تھے کہ سلامت نہ پھرے گا قاصد
خط میں تاکید جواب اُن کو رقم کیا کرتے ؟

سرائے دہر یہ دم لینے کا مقام نہیں   عدم کے قافلے والو ' قدم بڑھائے ہوئے !
'' قلق '' یہ قول بزرگوں کا راست ہے واللہ   نہ آزماؤ اُنہیں جو ہیں آزمائے ہوئے

کس چین سے گزرتی ہے رندان مست کی ؛   سوتے ہیں خشت خم کو سرہانے دھرے ہوئے

واعظ کی ضد سے رندوں نے رسم جدید کی   یعنی مہ صیام کی پہلی کو عید کی

جنت وصال یار ہے ' دوزخ فراق یار   عاشق کو کیا غرض ہے نعیم و جحیم سے

آثار رہائی ہیں یہ دل بول رہا ہے   صیاد ستمگر مرے پر کھول رہا ہے

وہ ہم اسیر قفس ہیں کہ مر کے چھوٹیں گے   ہمیں ہے ایک ' خزاں آئے یا بہار آئے

قصائد

واجد علی شاہ کی مدح میں

زبس ہے جوش پہ اِن روزوں خون رنگ بہار
تڑپتی ہے رگِ گل مثل نبض عاشق زار

بلے ہیں صاف ہم‌آواز گلرخاں عاشق
شکست رنگ کی آواز ہے ترانۂ بہار
ہزار شکر کہ پھولوں سے آشیاں چھایا
بہت دنوں میں بر آئی مراد بلبل زار
پڑے جو رنگ گل تر کا عکس دریا میں
صدف میں دانۂ مرجاں بلے دُرِ شہوار
دکھا رہی ہے یہ وحدت میں کثرت آج بہار
ریاض دہر میں ایک ایک گل بنا گلزار
رواں ہے آب گہر میں فقیر کی کشتی
سحاب جود و سخا اِس قدر ہے گوہر بار
چمن چمن ہے زبس بارش سحاب کرم
بلے ہیں گوہر خوش آب دانہ ہائے انار
وہ نور کے ہیں معانی وہ نور کے مضموں
ہر ایک مطلع عالی ہے مطلعِ انوار

باغباں سمجھے فلک سے کوئی تارا ٹوٹا
ٹوٹ کر کوئی زمیں پر جو گرا برگ سمن
چھپ گیا چاندنی کا پھول جو پتوں میں کوئی
شبہہ گلچیں کو ہوا صاف کہ ہے چاند گہن
جوش گل ہے یہ‌چمن میں خس‌وخاشاک ہیں گم
آشیاں پھولوں سے چھاتا ہے ہر اِک مرغ چمن
یہ ہوا چلتی ہے جاں بخش عجب کیا ہے اگر
مرغ تصویر بھی پرواز کرے سوے چمن

مطلع

رخ پُر نور پہ ململ کا دیکھو جوبن
آسمانی اگر اطلس ہے تو سورج کی کرن
قطع ہو برہ کے پے جامہ حریر شملہ
شمع قامت کو ہو درکار اگر پیراہن

شمع، فانوس سے جس طرح نظر آتی ہے
یوں عیاں ہوتی ہے پوشاک سے تنویر بدن
حُسن گلگونِ صبا دم کی لکھوں کیا تعریف
حور کا مکھڑا ہے کلغے میں ہے طاؤس چمن
دم گلگشت ارادہ جو ہو ٹھکرانے کا
صفتِ بوئے گل اُڑ جائے وہ دیوار چمن
وہ پری، زیب کمر رکھتی ہے ہر دم تلوار
تیغ ابرو سے کہوں اُس پہ سوا ہے جوبن

پلا دے ساقیِ مہوش مجھے شراب طہور کہ لب پہ جام کے ہے "اِنّ ربنا لغفور"
جھکا دے گردن مینا برنگ شیشۂ مے دکھا دے جلوۂ مہتاب اُٹھاکے جام بلور
کرم سے شہ کے گدا بھی ہے شاہ کہلاتا کہ پانو توڑ کے بیٹھا تو ہو گیا تیمور

سواری کی تعریف میں

اُٹھاؤں عنان کمیت قلم دکھاؤں سواریِ شہ کا حشم
سوئے کربلا جب سواری چلی گلستاں کو یاد بہاری چلی
چلا جب ہوادار مثل نسیم گل باغ جنت کی پھیلی شمیم
معطر دماغ ہوا ہوگیا شگفتہ دل مدعا ہوگیا

عید کی تہنیت میں

خدیو جہاں، شاہ عالم پناہ ثریا وقار و فلک بارگاہ
بہار گلستانِ ہندوستاں جہاں پرورِ جان ہندوستاں
مہ برج شوکت دُر دُرجِ جاہ گُل باغ اقبال خاقاں کلاہ
فریدوں وقار و سلیماں حشم ہمایوں سپر، فخر دارا و جم
دُربحرِ بخشش، یمِ عدل و داد خداترس، راحت‌رساں، خوش‌نہاد
حسین و متین و فہین و ذکی خلیق و سخی عابد و متقی
"قلق" تو کہاں مدح سلطاں کہاں بس اب روک لے اپنے دست و زباں
اُٹھاکر سوئے قبلہ دست دعا خداوند عالم سے کر التجا

فلک پر درخشاں ہیں تامہر و ماہ　　زمیں پر ہیں تاچشمۂ بحر و چاہ
جہاں ہووے اور یہ جہاندار ہو　　خدا اِس کا یار و مددگار ہو
یہ سلطان عالم سلامت رہے
سلامت رہے با کرامت رہے

رباعی

یا ربّ، تری وہ فیض رساں ہے درگاہ　　پھرتا نہیں محروم کوئی حاجت خواہ
غیروں سے کروں سوال تیرے ہوتے　　لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ

ضمیر

میر مظفر حسین " ضمیر " بلگرامی، ضلع گوڑگاؤں کے رہنے والے تھے۔ اِن کے والد میر قادر حسین [۱]، نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا میاں الماس کے ملازم تھے۔ نواب آصف الدولہ نے جب فیض آباد چھوڑکر لکھنؤ آباد کیا تو میر قادر حسین بھی مع اپنے صاحبزادے میر ضمیر کے لکھنؤ چلے آئے۔ میر ضمیر، "مصحفی" کے شاگرد تھے [۲]۔ تھوڑے دنوں میں کافی شہرت حاصل کرلی اور مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں مشہور ہوگئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اُردو میں رزمیہ شاعری اور سراپا کے موجد ہیں۔ رزمیہ شاعری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے اِن کے مراثی میں موجود ہیں۔ مراثی کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

مراثی

صبح کا سماں

نکلا جو سر مہر گریبان سحر سے — انجم کے گہر گر گئے دامان سحر سے
مہتاب کا رنگ اُڑ گیا دامان سحر سے — روشن ہوا صحرا رخ تابان سحر سے
جو وادیِ ایمن میں ہوا طور کا عالم
وہ خیمۂ شپیر میں تھا نور کا عالم

وہ نور کا تڑکا اُدھر اور صبح کا عالم — گھٹتا مہ و انجم کی تجلی کا وہ کم کم
آتی تھی صدائے دہل صبح بھی پیہم — چلتی تھی نسیم سحری دشت میں تھم تھم
کرتا تھا چراغ سحری عزم سفر کا
اور شور درختوں پہ وہ مرغان سحر کا

---

[۱]—سخن شعرا میں میر قادر علی نام لکھا ہے۔
[۲]—تاریخ ادب اُردو ج ۱ ص ۲۳۱۔

کہتا تھا کوئی جلد سکینہ کو جگاؤ اور عابد بیمار کے شانے کو ہلاؤ
ہے غم سے پڑی خاک پہ بانو کو جگاؤ ہاں بیبیو اب رخصت شبیر کو آؤ
حضرت کی سواری در خیمہ پہ کھڑی ہے
ہشیار رہو رات تو کُل چار گھڑی ہے

حضرت مسلم کوفے میں

شام کو داخل مسجد ہوئے وہ لوگ تمام وقت مغرب کے کہا حضرت مسلم کو امام
پھیرا مسلم نے جونہی بعد تشہد کے سلام پھر کے دیکھا تو رہیں نو شخص کل اہل اسلام
نکلے مسجد سے تو کہا کیا اُنہیں وسواس نہ تھا
نو رفیقوں کو بھی دیکھا تو کوئی پاس نہ تھا
اِس طرح لشکر مسلم جو پراگندہ ہوا حاکم کوفہ نے پھیری یہ منادی اُس جا
گھر میں مسلم کو اگر کوئی جگہ دیوے گا صاحب خانہ ہے رہ مورد آفات و بلا[۱]
ناکے روکے گلے اور راہ گذر بند ہوئے
شہر میں مسلم مظلوم نظر بند ہوئے
تب کہا حضرت مسلم نے کہ اب جاؤں کہاں واہ کیا خوب یہ سمجھے ہیں حقوق مہماں
بھوکے پیاسے شب تاریک میں تھے سرگرداں تا درِ خانۂ طوعہ جونہی پہنچے گریاں
اُس ضعیفہ کو یہ دیکھا کہ دعا کرتی ہے
در پہ بیٹھی ہوئی کچھ ذکر خدا کرتی ہے
بولے مسلم کہ بہت پیاس سے میں ہوں بیتاب[۲] پانی دنیا میں پیاسے کو پلانا ہے ثواب
شہر کا حال دگرگوں جو تھا[۳] اُٹھی وہ شتاب آب شیریں[۴] سے بہ تعجیل بھرا ساغر آب
ڈرتے ڈرتے جو حوالے قدح آب کیا
طوعہ نے طوعاً و کرہاً اِنہیں سیراب کیا
تھک کے بیٹھے وہیں مسلم اُسی دیوار تلے کہا طوعہ نے کہ اُٹھ جا مرے دروازے سے
ہے بہت شہر پُر آشوب یہی ڈر ہے مجھے رو کے اُس پیر ضعیفہ سے کہا مسلم نے

---

[۱]—نل یعنی نولکشوری نسخہ (صاحب خانہ رہ مورد کا گرفتار بلا) ۔
[۲]—نل (اُس سے مسلم نے کہا پیاس سے ہوں میں بےتاب) ۔
[۳]—نل (ڈرتا پھر) ۔ [۴]—نل (سرد پانی) ۔

آج کی رات جو گھر میں مجھے [۱] مہمان کرے
یہ یقین ہے کہ محمد پہ وہ احسان کرے

کہا طوعہ نے کہ تو کون ہے اے مرد خدا — کہا مسلم نے کہ شپیر ہے بھائی میرا
مجھ کو سب کہتے ہیں مسلم ہے علی میرا چچا — بہ نیابت تھا مجھے ابن علی [۲] نے بھیجا

کوئی دے گھر میں جگہ اس کا فقط طالب ہوں
میں ہی فرزند عقیل ابن ابی طالب ہوں

گر پڑی پانو پہ طوعہ جو سنی یہ [۳] گفتار — اور لگی کہنے کہ شہزادۂ عالم پہ [۴] نثار
تیرا دیدار ہے ' فرزند نبی کا دیدار — رونگٹے پر ترے ' لونڈی کا فدا ہے گھر بار

جان اپنی ترے قدموں پہ میں قربان کروں
شوق سے آ مرے گھر میں تجھے مہمان کروں

---

[۱]—نل (مجھے گھر میں جو) - [۲]—نل (ہے مجھے سبط نبی) -
[۳]—نل (یہ سنی جب) - [۴]—نل (کے) -

خلیق

میر مستحسن "خلیق" میر حسن صاحبِ مثنوی "بدر منیر" کے چھوٹے بیٹے، دہلی کے رہنے والے میر ضمیر کے ہمعصر تھے۔ تعلیم و تربیت فیض آباد اور لکھنؤ میں ہوئی۔ شیخ غلام ہمدانی "مصحفی" سے مشورۂ سخن کرتے تھے[۱]۔ ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام میں روانی کی شان، زبان کی حلاوت، محاکات کی بلندی، طرزِ بیان میں دل نشینی سب کچھ ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ انہوں نے میر "انیس" کے لیے ایسا میدان تیار کردیا کہ اُس میں ان کا کوئی بھی مقابل نظر نہیں آتا۔

مراثی

امام حسین کا سفر

گھر سے جب بہرِ سفر سیدِ عالم نکلے　　سر جھکائے ہوئے با دیدۂ پرنم نکلے
خویش و فرزند کمر باندھ کے باہم نکلے　　رو کے فرمایا کہ اِس شہر سے اب ہم نکلے
رات سے گریۂ زہرا کی صدا آتی ہے
دیکھیں قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے

یہ بیاں کرکے چلے واں سے شہِ کون و مکاں　　بے کسی چہرے پہ چھائی تھی تو آنسو تھے رواں
لوگ سر پیٹ کے اُس دم ہوئے یوں گریہ کناں　　پوچھیے تابوت کے جس طرح سے ہو شور و فغاں
غل تھا، اے سیدِ ذی جاہ، خدا کو سونپا
اے مدینے کے شہنشاہ، خدا کو سونپا

---

[۱]— گلشنِ بیخار، سخن شعرا، آبِ حیات و سوانحات، وغیرہ۔
[۲]— مقدمۂ روح انیس ص ۱۳۔

والیِ ملک، عجب حال سے کرتا ہے سفر   برکتیں اُٹھ گئیں خالی ہوئے سادات کے گھر
نہ وہ زینت رہی مسجد کی نہ زیبِ منبر   وعظ ہر جمعے کو اب کون کہے گا جاکر

اِس طرح کاہے کو مسجد میں اذاں ہوئے گی
اب جماعت کی نماز آہ کہاں ہوئے گی

ذات شبیر تھی اک رحمت رب باری   کون اب دکھ میں غریبوں کی کرے گا یاری
فیض کس گھر سے مدینے میں رہے گا جاری   پائیں گے کس کی دعاؤں سے شفا، آزاری

شہر سے سایۂ الطاف خدا جاتا ہے
مشکلیں باقی ہیں اور عقدہ کشا جاتا ہے

راہ میں شاہ کو تھا رنج صعوبات سفر   سختیاں ہجر کی صغریٰ پہ گذرتی تھیں اُدھر
تارے گن گن کے شب تار کو، کرتی تھی سحر   "ہائے اماں" تھا کبھی لب پہ کبھی "ہائے پدر"

اِس مصیبت سے اُسے ہجر کا دن کٹتا تھا
کہ پرستاروں کا دیکھے سے جگر پھٹتا تھا

انیس

میر ببر علی "انیس" میر مستحسن "خلیق" کے بیٹے میر حسن کے پوتے اور میر ضاحک کے پر پوتے تھے - ان کے آبا و اجداد نے دہلی میں قیام کر لیا تھا، مگر اصلی باشندے ہرات کے تھے - جب دلی اجڑی تو ان کا خاندان فیض آباد چلا آیا - یہیں محلہ گلاب باڑی میں ۱۲۱۶ھ میں میر انیس پیدا ہوئے - یہ آصف الدولہ کا زمانہ تھا - امجد علی شاہ کے زمانے میں ان کے والد نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا - میر صاحب نے ابتدائی کتابیں فیض آباد میں میر نجف علی سے پڑھیں اور پھر لکھنؤ میں مولوی حیدر علی لکھنوی سے عربی کی تحصیل کی - فن شاعری بالخصوص مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں ان کو اپنے والد سے تلمذ تھا - ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ع) میں وفات پائی [۱] -

میر صاحب ایک ہی مضمون کو جتنی بار باندھتے ہیں، نیا لطف حاصل ہوتا ہے - صبح، تلوار، گھوڑے کی تعریف، میدان جنگ، سراپا کو بیسیوں جگہ نئے نئے انداز سے باندھا ہے - اس قسم کی شاعری کے لئے جن معنوی اور لفظی خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب میر صاحب کے کلام میں موجود ہیں -

مراثی

مناجات

یارب، چمن نظم کو گلزار ارم کر — اے ابر کرم، خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر — گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

---

[۱] خمخانۂ جاوید و مقدمۂ روح انیس و تاریخ ادب اردو ج ۱، ص ۳۱۷ -

اِس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری   بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری   پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت، چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غوّاص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی   ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریّا سے ہو عالی   عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جلھیں رشتہ ہے نبی سے

بھردے دُرِ مقصود سے اِس دُرجِ دہاں کو   دریاے معانی سے بڑھا طبع رواں کو
آگاہ کر انداز [۱] تکلم سے زباں کو   عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسن بیاں کو
تحسین کا سمٰوات سے غل تا بہ فلک ہو
ہر گوش بنے کان ملاحت وہ نمک ہو

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں   قطرے کو جو دوں تاب [۲] تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہر منوّر سے ملا دوں   خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

گر بزم کی جانب ہو توجہ دم تحریر   کھنچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبت انجم، فلک پیر   ہو جائے ہوا، بزم سلیماں کی بھی توقیر
یوں تخت حسینان معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

تعلّی

اے شمع قلم، روشنیِ طور دکھا دے   اے لوح، تجلّیِ رُخ حور دکھا دے
اے بحر طبیعت، گہر نور دکھا دے   اے شاہد معنی، رخ مستور دکھا دے
بزم غم شبیر میں وہ جلوہ گری ہو
خورشید جہانتاب چراغ سحری ہو

---

[۱]—" نل " سے نول کشور پریس کا اور " ن " سے نظامی پریس بدایوں کا مطبوعہ نسخہ مراد ہے ۔ نل (آغاز) ۔ [۲]—نل، ن (آب) ۔

اے طبع رسا، خلد کا گلزار دکھا دے　　اے باغ سخن، گلشن بے خار دکھا دے
اے شمع زباں، لمعۂ انوار دکھا دے　　اے حُسن بیاں، خوبیِ گفتار دکھا دے
لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغ زباں، آج تو کر کام قلم کا

مانی کو بھی حیرت ہو وہ نقشا نظر آئے　　بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
اللّٰہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے　　سب بزم کو مصدر کا سراپا نظر آئے
مہتاب تو کیا ہے، رخ خورشید بھی فق ہو
جو بند ہو، تصویر تجلّی کا ورق ہو

خاموش، زباں، دعویِ بیجا نہیں اچھا　　ہو جس میں تکبر سخن ایسا نہیں اچھا
بس بس یہ غرور اور یہ دعوا نہیں اچھا　　آپ اپنی ثنا، واہ، یہ شیوا نہیں اچھا
کم مایہ کمال اپنا جتا دیتا ہے اکثر
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے اکثر

خورشید کو کچھ حاجت زیور نہیں زنہار　　پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار
اعلیٰ ہے اگر جنس تو کیا حاجت اظہار　　خود مشک ہو خوشبو، نہ کہ خوشبو کہے عطار
جو بد ہے سو بد ہے، جو نکو ہے وہ نکو ہے
چھپنے کی نہیں آپ، اگر عود میں بو ہے

ابن مظاہر کی جنگ

یہ کہتے ہی جولاں کیا شبدیز سبکتاز[۱]
اُڑکر صف اعدا پہ گیا صورت شہباز
رنگ رخ افواج ستم کر گیا پرواز
گھوڑا تھا مگر شیر کا تھا جست میں انداز[۲]
اک دم میں گیا پار، سواروں کے پرے سے
مڑکو اِدھر آیا تو گرے خود سروں سے
چمکی عجب انداز سے اُس شیر کی تلوار
گویا سر اعدا پہ گری برق شرر بار

---

[۱]— نل (سبکبار) - [۲] ن (جست میں تھا شیر کا انداز) ۔

ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے [۱] تھے سپہ کار،
اُس دست زبر دست کا رکتا تھا کوئی وار ؟
کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے، تن و سر کو
سہلے سے کتر جاتی تھی دو کرکے سپر کو
کاٹے ہوئے پھل برچھیوں کے، رن میں پڑے تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
چھایا تھا ہراس اُن پہ، ہمیشہ جو لڑے تھے
آنکھیں وہ چراتے تھے، بہادر جو بڑے تھے
دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
اُس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا
تھے برچھیوں والوں کے پرے بے سر و بے پا
برچھی تھی کہیں، ہاتھ کہیں اور کہیں پھلیچا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریـا
بہتے تھے حبابوں کی طرح سے سرِ اعـــدا
دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدو میں
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش لـہو میں
چلاتے تھے اعدا: کوئی بلتی نہیں تدبیر
دم بند ہیں، ماریں کسے تلوار، کسے تیر
جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
کیا ہوتا ہے ڈھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے
بیکار تھے جلادوں کے نیزے دم پیکار
تلوار سے ملتی نہ تھی [۲] مہلت کہ چلے وار
حلقہ کیے اُس شیر کے درپے تھے کماندار
چلّے سے مگر جس نے ملایا لب سوفار

---

[۱]—ن‌ل (چھپائے) ۔
[۲]—ن‌ل (تھی نہ) ۔

شہباز سا سر پر فرس تیز قدم تھا
نکلا بھی [۱] نہ تھا تیر ' کماں سے کہ قلم تھا

حر کی جنگ

کئی حملے کیے پیہم جو کمانداروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفا کاروں [۲] پر
چتکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
رخ پھرا تھا کہ گری برق ستمگاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا
نیزۂ فوج ستمگار تھے دیکھے بھالے
دم میں اس شیر نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفت مرگ کو سر سے کوئی کیوں کر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تل جاتے تھے
بند سب ' ناخن شمشیر سے ' کھل جاتے تھے
الف گرز کو کر دیتے تھے [۳] ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی برچھی کی انی تھی ' تو کبھی تیر کی بھال
کبھی تلوار ' کبھی خنجر براں ' کبھی [۴] ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ثنا کرتی تھی
شور تھا ' آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
جل بجھے [۵] کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے

---

[۱]—نل (ہی) ۔ [۲]—ر ' سے " روح انیس " مراد ہے ۔ ر (ستمگاروں) ۔
[۳]—ر (کردیتی تھی) ۔ [۴]— ر (کبھی کی بجائے ہر جگہ پر " کہیں " ہے) ۔
[۵]—نل (بجھی) ۔

ضرب میں فرد ہے، یہ زور میں لاثانی ہے
کہتا تھا حر: یہ فقط قوت ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا، نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبط پیمبر کی دعا کی طاقت
کہ کے یہ، فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
ورطۂ قلزم آفت میں گُہر ڈوب گیا
لشکر شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں، کبھی تیروں میں

حضرت عباس کی جنگ

فرما کے یہ تلوار کو صفدر نے نکالا   ہالہ ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
بھالوں کو اُدھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا   بجلی جو گری ہوگیا لشکر تہ و بالا
اِس شان سے غازی صف جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکر روباہ میں آیا
دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اِکبار   عالم کو قیامت کے نظر آگئے آثار
ہلنے لگے اشجار لرزنے لگے کہسار   صحرا سے گریزاں ہوئے اژدر طرف غار
جن کہتے تھے: خالق ہمیں اِس آن بچائے
چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

جس صف پہ چلی تیغ وہ بےسر نظر آئی   ریتی پہ ہر اِک لاش تڑپ کر[1] نظر آئی
جب وار کیا قوت حیدر نظر آئی   گہ تنگ کے نیچے، کبھی سر پر نظر آئی
غل ہوتا تھا، کرتی تھی دوپارا جو سپر کو:
دو کردیا انگشت سے احمد نے قمر کو
تیغوں کو نیاموں سے نکلنے نہیں دیتی   اِس فوج کا اِک وار بھی چلنے نہیں دیتی
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلنے نہیں دیتی   انداز لڑائی کا بدلنے نہیں دیتی
تلوار نہیں برق اجل ہم پہ جھکی ہے
ڈھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رُکی ہے

---

[1] — ن (برابر)۔

مغفر کو جو کاٹا تو جبیں سے نکل آئی — سر پر جو پڑی خانۂ زیں سے نکل آئی
بجلی سی صفِ لشکرِ کیں سے نکل آئی — کچھ تڑپ گئی گاو زمیں سے نکل آئی
غل تھا کہ عجب کیا جو سپر سے نہیں رکتی
یہ ضرب تو جبریل کے پر سے نہیں رکتی

حلقے میں در آئی تو نئی چال سے نکلی — پھلچے کو قلم کرتی ہوئی ڈھال سے نکلی
ڈوبی جو زرہ میں تو عجب حال سے نکلی — مچھلی سی تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
چار آئینے کو آٹھ کیا کاٹ نے اُس کے
بڑھوا دی ہر اک کشتیِ تن گھاٹ نے اُس کے

حضرت عباس پانی لے کر آتے ہیں

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا — بادل کو ہٹا کر مہ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا — دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا!
تلوار اُٹھا کر کہا: کیوں ہم کو نہ روکا؟

حضرت عباس کا سراپا

چتون تو قیامت کی ہے تیور ہیں غضب کے
اِک حملے میں سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے
فرزند ہیں یہ فخر شجاعانِ عرب کے
شیر اِن کے ہی تیور سے نکل جاتا ہے دب کے
بچے کبھی اِس گھر کے نہیں رن سے ٹلے[1] ہیں
یہ سب اسداللہ کے بیشے میں پلے ہیں

ہر شہر میں پیشانیِ انور کا ہے شہرا
سجدے کا نشاں بھی ہے تکلف ہے یہ دہرا
گویا ورق ماہ یہ ہے مہر کا مہرا
دیکھو سر خورشید پہ طالع ہوا زہرا

---

[1] — ٹل (ہٹے)۔

اِس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
موسیٰ نے یہ جلوہ یدبیضا میں نہ دیکھا
غصے سے جو تیوری کو چڑھائے ہے یہ جرّار
گویا کہ ہیں دو ناخن شیر ابروے خمدار
بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صف کفّار
ہل جاتی[۱] ہیں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار
اِس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
یہ کاٹ کبھی تیغ دو دستی میں نہیں ہے
گردوں پہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
اک بیت کے یہ مصرع برجستہ ہیں دونوں
ظاہر میں کشیدہ ہیں پہ دلبستہ ہیں دونوں
کہیے مہ نو اِن کو تو یہ رو نہیں اُس میں
مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اُس میں
ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہیں اُس میں
آنکھیں نہیں، پلکیں نہیں، ابرو نہیں اُس میں
بو ہے گل تر میں، یہ خط و خال کہاں ہے
قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے
کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
توصیف میں عاجز دم تحریر قلم ہے
دیکھو خط ریحاں ورق زر پہ رقم ہے
پہلو میں سحر کو شب دیجور لیے ہے
ظلمات کو آغوش میں یا حور لیے ہے

---

[۱]—ن (جاتے) ۔

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
یہ روے دل افروز قمر نے نہیں پایا
رنگِ لب نازک گل تر نے نہیں پایا
نور اِس دُر دنداں کا گہر نے نہیں پایا
باہم تو ہیں، دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
وہ لعل کے ٹکڑے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

امام حسین علیہ السلام کا سراپا

ایک شور تھا کہ آج زمین، آسمان ہے　　صحراے کربلا نہیں، دنیا کی جان ہے
اُترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے　　رضواں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
پرتو ہے یہ رخ خلفِ بو تراب کا
دیکھو، الٹ گیا ہے ورق آفتاب کا
نقشِ سم فرس کی ضیا پر کرو خیال　　اختر کہیں ہے، بدر کہیں ہے، کہیں ہلال
ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال　　یاں ہے وہی عروج، زہے حشمت و جلال
پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلّی ہے طور پر
اُبھلا جبیں سے صفا آشکار ہے　　ابرو سے ماہ رخ کی[۱] ضیا آشکار ہے
چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے　　رخ سے جلال شیر خدا آشکار ہے
رستم بھی چڑھ سکے گا نہ ملہ پر دلیر کے
چہرہ تو حور کا ہے پہ تیور ہیں شیر کے
نور جبیں نے جلوۂ قدرت دکھا دیا　　چہرے نے حسن صبح صباحت دکھا دیا
ابرو نے رنگ تیغ شجاعت دکھا دیا　　قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا
جنگل کو بوے کوچۂ گیسو بسا گئی،
کپڑوں سے نکہت گل فردوس آ گئی
ابرو نہیں ہے[۲] چشم مروت نہاد پر　　نوں لکھ دیا ہے صانع قدرت نے صاد پر
دید اِسکی فرض عین ہے خوش اعتقاد پر　　قرباں ہے صبح و شام بیاض و سواد پر
سادہ نگیں حدید[۳] کا دُر نجف میں ہے:
پُتلی نہ جانیو، دُرِ مکنوں صدف میں ہے

---

[۱]—نل (سے) - [۲]—ن (ہیں) - [۳]—ن (حدید) -

حضرت علی اکبر کی جنگ

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں، سر اُڑ گئے تن سے
طائر بھی ہوا ہوگئے سب ظلم کے بن سے
آگے تھا ہرن شیر سے، اور شیر ہرن سے
غل تھا: یہ جری مثل یداللّٰہ لڑے گا
تر ہوگی زمیں خوں سے وہ رن آج پڑے گا [۱]

تلوار تھی جرار کی، یا قہر خدا تھی:
سر تھا تو الگ تھا، جو کمر تھی تو جدا تھی
بجلی جو اِدھر تھی، تو اُدھر سیل فنا تھی؛
تلوار تھی یوں، سر پہ جب آئی تو قضا تھی
بےسر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اُس کی
چاٹا جو لہو اور برش بڑھ گئی اُس کی

جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اُس کو
مجتمع تھا جدھر، دم میں پریشاں کیا اُس کو
جو آگے بڑھا غول سے، بےجاں کیا اُس کو
بخشی جسے جاں بندۂ احساں کیا اُس کو
بےسر تھا، ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
مارا اُسے، دیندار نہ تھا نسل میں جس کی

کیا ہاتھ تھا، کیا تیغ تھی، کیا ہمت عالی:
دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینہ آج برستا ہے سروں کا

کیسا حرب تھی قربان جگر گوشۂ شبّر
نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گرا تیر

---

[۱]—نل (چڑھے گا) -

آیا جو کماں لے کے کمیں سے کوئی بے پھر
گوشہ تھا ' نہ چلہ تھا ' نہ حلقہ تھا ' نہ زہ گیر
جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
قبضے سے کماں ' ہاتھ کلائی سے جدا تھا

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر
برچھی پہ نہ پھل تھا ' نہ کوئی پھول سپر پر
پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی ' گاہ جگر پر '
مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
نکلی جو کمر سے تو چلی خانۂ زیں پر
زیں سے تھی جو[۱] مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھِر آئی
پھر تیغ نے بجلی صفِ اعدا پہ گرائی
دعویٰ تھا مگر بھول گئی[۲] ہرزہ در آئی
چلاتی تھی[۳] بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
ہر بار ہے موجود تو ہر بار نہیں ہے
یہ مرگ مفاجات ہے تلوار نہیں ہے

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
یہ شیر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
شہباز اجل صید پہ پر کھول کے آیا
اڑتا ہوا سر بیچ میں اس غول کے آیا
حق جس کی طرف ہے وہ زبر دست رہا ہے
سچ ہے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ہے

سو سو کو ہر[۴] اک ضرب میں کٹتے نہیں دیکھا
یوں غیظ میں شیروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
بڑھ کر کبھی جرار کو ہٹتے نہیں دیکھا
گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا

---

[۱]—نل (ہٹی) ۔ [۲]—ن (بھول گئے) ۔ [۳]—ن (چلاتے تھے) ۔ [۴]—ن (ئے ـر) ۔

جب ہاتھ اُٹھا' برچھیوں تھراتا [۱] ہے گھوڑا
پتلی کے اِشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

حریف سے خطاب

اکبر نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آ کر
کیوں منھ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ وغا [۲] کر
دیکھ' اپنے رسالے کے جوانوں سے جدا کر
ناداں ہے تمیز حق و باطل نہیں رکھتا
تو ایسے [۳] تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا
یہ خوف' کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
پنجے سے نہ شیروں کے شکار آ کے نکل جائے
یکجا صفت سایۂ آہو نہیں تھمتا
سیماب ٹھہر جاتا ہے پر تو نہیں تھمتا
تجھ سا تو جواں لشکر بدخو میں نہیں ہے
ہاں' زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے
فوجیں ہیں اُدھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
کیا تجھ کو کہیں گے' جو صفیں باندھے کھڑے ہیں
نیزے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا
کیوں؟ میں نے کماں چھین لی اور تیر تمہارا
اِک ضرب پڑی [۴] تھی' کہ ہوا گرز دو پارا
لڑنے پہ تبرّا ہے ترا او ستم آرا
آ تیغ جوانان خوش اقبال کے اوپر [۵]
چہرے کو چھپاتا ہے جہلم ڈال کے منھ پر

---

[۱]—ن (پھر آتا) - [۲]—ن (وفا) - [۳]—ن (اتنے) - [۴]—ن (تبر) - [۵]—ن (منھ پر) -

حریف کا حملہ

یہ سن کے بڑے غیظ و غضب میں [۱] وہ پل آیا
اکبر نے کہا آ، کہ مقام اجل آیا!
بارے شجر جرأت و ہمت میں پھل آیا!
بس روک لے پودا، کہ فرس منہ کے بل آیا!
یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے
گر پڑتا ہے جلدی، تری کچھ اصل نہیں ہے

تلواریں کھنچیں برچھیاں چمکیں علم اُٹھے
گھوڑوں کے [۲] تگ و پو میں برابر قدم اُٹھے
نظارے کو [۳] گردوں پہ ملائک بہم اُٹھے
گر گر کے اِدھر خاک پہ شاہ اُمم اُٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اُس ضال و مضل کے
شپہر قریب آ گئے بیتابی دل سے

حضرت علی اکبر فوج میں گھستے ہیں

تسلیم کی اور اسپ صبا دم کو اُڑا کر پھر ترب گیا فوج میں وہ شیر دلاور
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبط پیمبر واں شام کے بادل میں گھرا وہ مہ انور
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گیا سینہ
روزن ہوئے اتنے کہ زرہ بن گیا سینہ

ٹکڑے ہوئے تیغوں سے، پہ ہمت کو نہ ہارے مجروح تھے اِتنی نظر اُس فوج کے سارے
صحرا میں کبھی تھے، کبھی دریا کے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو پھر رن کو سدھارے
روئے [۴] نہ پدر، قتل ہو لخت جگر ایسا!
باپ ایسا ہو صابر، تو جری ہو پسر ایسا

حضرت علی اکبر زخمی ہوتے ہیں

لڑتے تھے کہ پیشانی انور پہ لگا تیر
سب خوں سے بھری احمد مختار کی تصویر

[۱]—ن (سے) [۲]—ن (تی) [۳]—ل (نظاروں پہ) [۴]—ل، ن (روئے)

لکھا ہے کہیں میں تھا کوئی ظالم بے پیر
برچھی جو لگی سینے میں ، حالت ہوئی تغییر
اللہ رے [۱] شجاعت ، کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اُس نے جو کھینچا تو کلیجا نکل آیا

ٹکڑے جو بہے خوں کے تریڑوں میں جگر کے
غش ہوگئے سر گردن رھوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے
سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں، ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں ، یا آپ تھے ، یا سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

حضرت علی اکبر خاک پر زخمی پڑے ہیں

اٹھارواں یہ سال ، یہ غربت ، یہ جوانی ؛
یہ شان ، یہ اقبال ، یہ شوکت ، یہ جوانی ؛
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت ، یہ جوانی ؛
یوں خاک ہوئی ، ہائے ، یہ صورت ، یہ جوانی ؛
کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے ؟
گویا کہ حسین آج بچھڑتا ہے نبی سے
لے آئی جو بیتابی دل لاش پسر پر ،
جھکتے میں ، نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
اک تیر لگا قلب شہ جن و بشر پر
سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا ، کبھی سر پر
اوپر کے دم اُس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا ،
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا
ہونٹوں پہ زباں ، رخ پہ عرق ، خاک پہ گیسو ،
پتھرائی ہوئی آنکھ ، کٹے [۲] تیغوں سے ابرو

---

[۱] — ن (ی) - [۲] — ن ، تل (کٹی) -

گردن تو کبج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو
چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آ گئی، بابا نہیں آئے
اے دردِ جگر، تھم کہ شہ بحر و بر آلیں
اے جاں، نہ گھبرا، شہ جن و بشر آلیں
اے روح، توقف، شہ والا اِدھر آلیں
اے موت، ٹھہر جا، پدر آلیں پدر آلیں:
ارمانِ دلِ زار پسر ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کے آغوش میں، نکلے
چلائے شہ دیں، علی اکبر، پدر آیا
اُٹھو مرے پیارے، مرے دلبر، پدر آیا
تم ڈھونڈھتے تھے: اے مہ انور، پدر آیا
نا شاد پدر، بیکس و بے پسر پدر آیا
کچھ دل کی کہو، بات کرو، ہوش میں آؤ
صدقے پدر، آؤ، مرے آغوش میں آؤ
منہ کھولے ہو کیوں؟ تیر کو گردن سے نکالوں؟
گر درد نہ ہو، ہاتھوں کو بازو سے سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اِس کو میں کس طرح سے ٹالوں
مرتے اُسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
بہ بہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمہارا

مناظر

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار، وہ بارور درخت، وہ صحرا، وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار
نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمیں رشک آسماں   تھا دور دور تک شب مہتاب کا سماں
چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا گماں   نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں

سر سبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

وہ سربلند خیمۂ زنگاری امام   جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
کم تھا نہ اس کا خانۂ کعبہ سے احترام   قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام

جلوہ تھا اُس میں بُرج امامت کے ماہ کا
درباں تھا جبرئیل اُسی بارگاہ کا

صبح

طے کرچکا جو منزل شب کاروان صبح   ہونے لگا افق سے ہویدا نشان صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح   ہرسو ہوئی بلند صدائے اذان صبح

پنہاں نظر سے روے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

خورشید نے جورخ سے اُٹھایا[۱] نقاب شب   در کھل گیا سحر کا، ہوا بند باب شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حساب شب   دفتر کشائے صبح نے، اُلٹی کتاب شب

گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

پہنچا جو مُہر مہر سے فرمان عزل شب   گردوں پہ عاملان سحر کا ہوا نصب
منشیِ آسماں مع دفتر ہوا طلب   بس جا بجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب[۲]

تا صبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
برخاست کی، چراغوں کو[۳] پروانگی ہوئی

یوں گلشن فلک سے ستارے ہوئے رواں   چن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گل مہتاب پر خزاں   مرجھا کے گر گئے[۴] ثمر و شاخ کہکشاں

دکھلائے طَور باد سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

---

[۱]—ن (اٹھائی) - [۲]—ن (اب) - [۳]—نل (لی) - [۴]—ن (مرگئے) -

چھپنا وہ ماہتاب کا، وہ صبح کا ظہور   یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا، وہ فضا، وہ نور   خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انساں زمیں پہ محو، ملک آسماں پر :
جاری تھا، ذکرِ قدرتِ حق، ہر زبان پر

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور   دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور   وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے
ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک   شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا، پھولوں کی وہ مہک   ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور، اور وہ دشت سہانا سا، وہ فضا،   دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل، وہ نالۂ مرغانِ خوشنوا،   سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے
وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار   پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار   بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہر[۱] گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے
وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم   کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم   جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی مدح[۲]
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح[۳]

علم

کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے   لوٹے گل فردوس نسیم سحری نے

---

[۱] — ن (نخل) ۔ [۲] و [۳] — ر (حمد) ۔

تاروں کو اُتارا فلک نیلوفری نے　　پرچم جو کھلا، کھول دیے بال پری نے
عیسیٰ نے پکارا کہ نثار اُس کے حشم کے
خورشید نے منہ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

تلوار

افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی　　کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گہ پڑ گئی سینے پہ، جگر پر کبھی آئی　　تڑپی کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری، کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ، وہ حصہ تھا فرس کا

بے پانو جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی　　ندّی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی　　پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن، رنگ زمرد سے ہرا تھا،
جوہر نہ[1] کہو، پیٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پریوش اُسے کہنا　　معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا
اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا　　جوہر تھے کہ پہنے تھی دلہن پھولوں کا گہنا
سب چمن خلد کی بو باس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شوہر سے دولہا کی بغل میں

سر پٹکے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہنچے　　قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے　　خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اُس کی بڑی تھی
برچھی تھی، کٹاری تھی، سروھی تھی، چھری تھی

موجود بھی، ہر فول میں اور سب سے جدا بھی　　دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
اِک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی　　امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اُس کا

---

[1]—نل [جو]۔

تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
جاپہنچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آگئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
ملہ تیغوں کی جانب کبھی ڈھالوں کی طرف سے
بس ھوگیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا ' دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی' فقرے تھے غضب کے

چار آئنے والوں کو نہ تھا جنگ سے چارا[1]
چو رنگ تھے سینے تو کلیجا تھا دو پارا
کھٹے تھے زرہ پوش' نہیں جنگ کا یارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سدا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے

ڈر ڈر کے قد راست سنانوں نے جھکائے
دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں ' یا شاہ زماں ' دو
پھیلائے تھے دامن کسو پھرھرے کہ اماں دو

بجلی سی کوند کر صف اعدا پہ جب گری
ہر سمت غل ہوا کہ وہ برق غضب گری

[1]—نل ' ن (کا یارا) ۔

بیدم تھا، جس پہ تیغ شہ تشنہ لب گری
کھلتا نہ تھا، کب اُٹھ گئی اور سر پہ کب گری
چل پھر سے اُس کی فوج ستم دردناک تھی
گردوں پہ تھی کبھی، تو کبھی زیر خاک تھی
دو لاکھ پر وہ تیغ برستی چلی گئی
ناگن کی طرح فوج کو ڈستی چلی گئی
بجلی سی دونوں باگوں پہ کستی چلی گئی
دم میں جلا کے خرمن ہستی چلی گئی
زخموں کو اُس نے آتش سوزاں بنا دیا
ہر نخل قد کو سرو چراغاں بنا دیا
اُس تیغ کی برش سے زبردست، زیر تھے
روباہ بن گئے تھے وہ، دل جن کے شیر تھے
گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتنے دلیر تھے
تودے تھے سرکشوں کے، کمانوں کے ڈھیر تھے
غل تھا کہ اے نبی کے نواسے پناہ دے
اے دو شبانہ روز کے پیاسے پناہ دے

آفت تھی، قیامت تھی، چھلاوا تھی، بلا تھی
بجلی تھی، کٹاری تھی، قرولی تھی، قضا تھی
روکے کوئی کیا، باڑھ نہ تھی، سیل فنا تھی
پیشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اُس کی نہ تھی، سانگ نکالی تھی پری نے
کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن، اُس کا
قامت میں کجی، چال میں وہ بانکپن اُس کا
تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اُس کا
چلتی تھی سروں پر یہ نیا تھا چلن اُس کا
ہے صاحب جوہر کا محل، چرخ بریں پر
رکھا ہے مہ نو نے کبھی پانو زمیں پر

قل تھا یہ کسی تیغ میں چم خم نہیں دیکھا
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
ایسا کسی ناگن میں کبھی سَم نہیں دیکھا
پھر کیا ہے جو اللّٰہ کا یہ قہر نہیں ہے
اس تیغ کے کاٹے میں کہیں لہر نہیں ہے

جلاب امام کی تلوار

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تلتی تھی کیا تلوں سے زمیں پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کیا جاتی تھی ھما کی طرح استخوان کو
ہر ہاتھ میں اُڑا کے کلائی نکل گئی
کوندی، گری، زمیں میں سمائی، نکل گئی
کاٹی زرہ، دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
چار آئنے کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

وقت وغا عصا تھی کبھی، اژدھا کبھی؛
تلوار بن گئی وہ کبھی، اور قضا کبھی
بجلی کبھی تھی، ابر کبھی اور ھوا کبھی
بلتی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی
پھرتے تھے جب حسین پیادوں کو رول کر
کیا اٹھتی تھی سروں کو دھن کھول کھول کر
اللّٰہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی
دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی

جل جل گئے وہ شعلہ فشانی دکھا گئی
کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی
لب صورت شگاف قلم، بند کر دیے
فقروں نے ذوالفقار کے، دم بند کر دیے
پھنچی سم فرس پہ، جو بالائے سر گری
چمکی اِدھر زمیں سے نکل کر، اُدھر گری
ناری چلے اُدھر، وہ جدھر کوند کر گری
جس صف سے لگ[۱] چلی یہ، وہ صف خاک پر گری
دکھلا کے اوج جاتی تھی یوں ہر سوار پر
جنگل میں باز گرتا ہے جیسے شکار پر

سواری

میداں میں جب سواریِ شاہ امم چلی
کس شان سے جلو میں سپاہ حشم چلی
فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
بدلی ہوا، نسیم ریاض ارم چلی
سرتاج عرش تھا جو مکیں، صدر زین پر
قدسی پروں کو فرش کئے تھے زمین پر
جوں جوں قدم بڑھاتا تھا سرور کا خوشخرام
بنتے تھے نقش سم سے زمیں پر مہ تمام
تھا ارض کربلائے معلّٰی کا یہ کلام
گو فرش تھی پہ اب میں ہوئی عرش احتشام
ذروں کا اُس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
ہر سنگ ریزہ رشک دہ شب چراغ تھا
بچھّی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
ہنستا تھا کہکشاں پہ، یہ جادے[۲] کو تھا غرور

---

[۱]—ن (گر) ۔ [۲]—ن (جادو) ۔

ہنستے تھے روے مہر پہ ' ذروں میں تھا یہ نور
ہر سنگریزہ کہتا تھا ' میں ہوں چراغ طور
تھا یہ زمیں کا قول کہ عنبر سرشت ہوں
کہتی تھی گرد نکہت باغ بہشت ہوں
وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشید خاوری
وہ صاف صاف آئینۂ چرخ اخضری
وہ نور اور وہ شان جوانان حیدری
راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری
صدقے سوارئِ شہ گردوں رکاب کے
گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

گھوڑے کی تعریف

گھوڑے تھے چھلاوا : کبھی یہاں تھے' کبھی واں تھے'
پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبکرو تو اُدھر گرم عناں تھے
بجلی[۱] تھے کسی جا ' تو کہیں آب رواں تھے
ہو سکتی تھی بجلی[۲] سے یہ سرعت' نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے
بے آب تھے دو دن سے پہ جاندار تھے گھوڑے
ہر مرتبہ اُڑجاتے پہ طیار تھے گھوڑے
اِس پار کبھی تھے ' کبھی اُس پار تھے گھوڑے
نقطہ تھی وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دس بیس جو مرجاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بوھ سکتا نہ تھا اِک بھی [۳] احاطے سے اجل کے

سرعت وہ سمندوں کی وہ چھل بل وہ طرارے
چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے

---

[۱]—ذل (مچھلی) ۔ [۲]—ذل (مچھلی) ۔ [۳]—ن (پل) ۔

سُم ایسے کہ قدموں پہ فلک ، بدر کو وارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اُتارے
اُڑ جانے کو افلاک پہ طیار یہی تھے
کھلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیّار یہی تھے

ہلچل وہ اُن صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خیز
تھا ترک و تاز میں کہیں صر صر سے تند و تیز
صدقے گندھے [۱] ایال پہ گیسوے مشک بیز
گرد آوری میں ابر تو بجلی دم ستیز
ذرے قدم کے فیض سے سارے چمک گئے
جب پتلیاں اُٹھیں تو ستارے چمک گئے

جرأت میں رشک شیر تو ہیکل میں پیلتن
پوئی [۲] کے وقت کبک دری ، جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ ، تو کہیں ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا ، تو ہوا پر عقاب تھا

آنکھیں وہ ، جن کو دیکھ کے حیران ہے غزال
گردن وہ ، جس کی شرم سے ہے سر نگوں ہلال
آہو کی جست ، شیر کی چتون ، پری کی چال
دل ، اُس کے دست و پاے حنائی سے پائمال
ہر نعل پا کا حسن یہ تھا اُس جلوس میں
آئینہ جس طرح سے ہو دست عروس میں

کیوں اعتقاد میں حکما کے نہ آئے فرق
اِشراقی ، اُس سے بحر تفکر میں سب ہیں غرق
راکب گر اُس کو غرب سے دوڑاے سوے شرق
اور آسماں سے ساتھ ہی چمکے نکل کے برق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو
یاں کب سے غرب میں فرس تیز گام ہو

---

[۱] ـــ (گندھے) ۔ [۲] ـــ (پوئی) ۔

کل کی طرح اِشارے میں سو بار پھیر لو
بجلی ہے ' جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے میں شکل گنبد دوّار پھیر لو
نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو
دوڑے بروے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو
طاؤس سا جدھر گیا دم کو چُور کیے
دم میں پرے سپاہ کے زیر و زبر کیے
کچلے کبھی بدن ' کبھی پامال سر کیے
کشتوں کو روند روند کے سُم خوں میں تر کیے
میدان میں تھا کسی کو نہ یارا ستیز کا
عالم ہر ایک نعل میں تھا تیغ تیز کا
زیبا ہے گر کہیں شعرا بادپا اُسے
آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے
طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اُسے
مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہے کیا اُسے
فتراک گر ہوا سے کبھی اِک ذری اُڑی
یوں اُڑ گیا کہ سب نے یہ جانا پری اُڑی

سفر

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی ' نظر میں
سنگ غم فرقت دل نازک پہ گراں ہے
اندوہ غریب‌الوطنی کاہش جاں ہے
گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
جاتی نہیں افسردگی خاطر ناشاد

جب عالم تنہائی میں آتا ہے وطن یاد
ہر گام پہ دل مثل جرس کرتا ہے فریاد
اِک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
جب ہو سفر خوف و پریشانیِ خاطر
شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کے لیے رنج و تعب ہے
رہ جائے پس قافلہ تھک[۱] کر تو غضب ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پانوؤں کے چھالے
منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
واماندوں[۲] کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اُٹھاتا نہیں کوئی

ہر دم دل نازک پہ مسافر کے ہیں یہ [۳] غم
تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پُر نم
تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم
ہوتا ہے عجب صاحب اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

بیٹے کا غم

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
موت آکے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے

---

[۱]—ن (چھٹ) ۔ [۲]—ن (درماندوں) ۔ [۳]—نل (سو) ۔

اُٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگ پسر سے
جاتا نہیں یہ داغ مرے [۱] پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر ' نہیں دل یہ کسی کا ؛
ہاں ' سبط پیمبر کا ' حسین ابن علی کا

فرزند

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی روح [۲] یہی روح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادی کا شانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا ' پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں ' نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے ' پُر نور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ دُر ہے ' قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال ' زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اِس لال کے بدلے

صولت یہی ' شوکت یہی ' اِجلال یہی ہے ؛
ثروت یہی ' حشمت یہی ' اِقبال یہی ہے

---

[۱]—ن (موے) - [۲]—ن (راح) -

سرمایہ یہی ' نقد یہی ' مال یہی ہے ؛
گوہر یہی ' یاقوت یہی ' لال [۱] یہی ہے
دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں ' گر یہ رقم پاس نہیں ہے
ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں' آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر ' قوت دل ' راحت جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے
وہ شے ہے ' خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے
وہ چین ہے ' راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے
وہ لال ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے
وہ دُر ہے یہ دُر ' جان لڑی رہتی ہے جس سے
آرامِ جگر ' تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر ' رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے
مالک سے بھرے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو
گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
بہہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

سلام

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں
ہوا کا جب کوئی جھونکا چلا ' حباب نہ تھا

کوئی انیس کوئی آشنا نہیں رکھتے
کسی کی آس ' بغیر از خدا نہیں رکھتے

---

[۱]—لال (لعل) ۔

کسی کو کیا ہو، دلوں کی شکستگی کی خبر
کہ ٹوٹنے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

قناعت و گہر آبرو و دولت دیں
ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر منت خلق
وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلق پاک رسول
حسین تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

اِک در پہ بیٹھ، گر ہے توکل کریم پر
اللّٰہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے

تکرار کیا ہے زندگیِ مستعار میں
اے موت، بار بار تقاضا نہ چاہیے

مرقد چراغ داغ سے روشن رہے "انیس"
شب کو اکیلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
گھٹا گھٹا کے فلک نے کیا ہلال مجھے

کمال شوق زیارت ہے اب کے سال مجھے
کریم، ہند کی ظلمت سے اب نکال مجھے

برنگ سبزۂ بیگانہ باغ دہر میں تھا
ترے سحاب کرم نے کیا نہال مجھے

کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھیلاؤں
مرا کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے

پھڑک پھڑک کے مروں گا، وہ نیم بسمل ہوں
فلک نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

مرا راز دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں، جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں

جہنم سے ہم بیقراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

خیال چہرۂ شہ وقت خواب رہتا ہے
تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

غبار وہ کربلا ہوگئی
مری خاک بھی کیمیا ہوگئی

الٰہی، مجھی میں نہ تھی کچھ وفا،
کہ دنیا ہی سب بے وفا ہوگئی

نہ گل میں محبت، نہ بلبل میں اُنس،
الٰہی، یہ کیسی ہوا ہوگئی؟

رہا مدتوں ساتھ جس روح کا وہ دم بھر میں نا آشنا ہوگئی

گریباں مرا چھوڑ، اے حرص دنیا، مرے ہاتھ میں دامن پنجتن ہے
"انیس" اِس قدر شور بختی کا شکوا یہ دولت ہے تھوڑی کہ شیریں سخن ہے؟

آلہی بخش دے اپنے کرم سے میرے عصیاں کو
کہ میں ہوں بندۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دکھا دوں زمین نجف کی بلندی ؟ بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں
زمین کے تلے جن کو جانا ہے اِک دن وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں
ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل [۱] وہی گل جفائے خزاں کھینچتے ہیں

ایک عالم سے جو چھٹ جاؤں تو پروا نہیں کچھ
پر نہ ہاتھوں سے مرے دامن سرور چھوٹے

دل سیر ہے گدائے جناب امیر کا خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا
پیاسا ہوں، ساقیا، مےِ کوثر کے خم کی خیر بھر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

گرد ہے اکسیر خاک کربلا کے سامنے
زرد مٹی کی حقیقت کیا طلا کے سامنے
جسم کو اک دن فنا کردیں گے جھونکے آہ کے
بات کیا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے
فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
ہاتھ پھیلاتا ہے سلطاں بھی گدا کے سامنے
فصل پیری میں ہوس دنیا کی، توبہ کر "انیس"
حشر میں کس منہ سے جائیے گا خدا کے سامنے

جب گسستہ ہوگیا تار نفس، کون سا اُلفت کا رشتہ رہ گیا ؟
کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے ہائے میں غربت میں تنہا رہ گیا
قبر میں ہوگا حساب زندگی بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
قبر میں رکھ کر نہ ٹھہرا کوئی دوست میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

---

[۱]۔ر (ہوا جن کو لگنے نہ دیتی تھی بلبل) ۔

گھٹا زور ، مشق سخن بڑھ گئی : ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا
مری قدر کر ، اے زمین سخن ! تجھے بات میں آسماں کر دیا

سدا ہے فکر ترقی بلندبینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں اِن زمینوں کو
یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ ، ضعف پیری نے
چُنا ہے جامۂ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں مضامین نو کا پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
" انیس " ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

گنہ کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے
تمام عمر جو کی سب نے بےرخی ہم سے
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے
" انیس " دم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ ،
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے ؟

عالم فانی میں کیا تم کو ملا ؟ اور کچھ اپنی گرہ سے کھو گئے

صبا ، لے کے جا میرے پھولوں کی بو؛ دماغ عدو بھی معطر رہے
فقیروں کی کیا موت ، کیا زندگی ؟ جگہ ، جس جگہ مل گئی ، مر رہے

اُسی کا نور ہر اک شے میں جلوہ گر دیکھا
اُسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ " انیس "
عروج ماہ بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

کبھی برا نہیں جانا کسی کو اپنے سوا
ہر ایک ذرے کو ہم آفتاب سمجھے ہیں

ارے نہ آئیو دنیائے دوں کے دھوکے میں
سراب ہے یہ ' جسے موج آب سمجھے ہیں

عجب نہیں ہے جو شیشوں میں رکھ کے لے جائیں
اِن آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھے ہیں

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لیے
شمع کشتہ ہوں' فنا میں ہے بقا میرے لیے

چڑھے گی جو ندّی مرے اشک کی ــــ تو نظروں سے دریا اُتر جائیں گے

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللّٰہ کے
سر جہاں رکھتے ہیں سب ' ہم واں قدم رکھتے نہیں

جو سخی ہیں مال دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہاتھ
اہل دولت جو ہیں وہ دست کرم رکھتے نہیں

جو مقرر ہے وہ ملتا ہے تری سرکار سے
ہم ہیں صابر ' کچھ خیال بیش و کم رکھتے نہیں

رباعیات

پروا تیغ زباں کو سجنے کی نہیں ــــ حاجت طبل سخن کو بجنے کی نہیں
دُر بار ہے ابر طبع لیکن ہوں خموش ــــ عادت ہے برسنے کی ' گرجنے کی نہیں

بیجا نہیں مدح شہ میں غرّا میرا ــــ بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا
مرغان خوش الحان چمن بولیں کیا ــــ مرجاتے ہیں سُن کے روزمرّا میرا

پرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے ــــ ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا ــــ رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

جس دن کہ فراق روح و تن میں ہوگا ــــ مشکل آنا اِس انجمن میں ہوگا
نازاں نہ ہو رخت نو پہن کر ' غافل' ــــ اِک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے ــــ رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے

کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں ، اے قبر ، میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے
جرأت واجب ہے کج کلاہی کے لیے
لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زباں
تلوار ضرور ہے سپاہی کے لیے

جو شے ہے فنا ، اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحر جہاں میں عمر ، مانند حباب
غافل ، اِس زندگی کو کیا سمجھا ہے

ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے
گلزار بہشت اپنا میخانہ ہے
سرمست ہیں حب ساقیِ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

غافل تجھے کیوں خواہش دنیائے دنی ہے
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
سوتے ہیں تہ خاک ، گلے میں کفنی ہے

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

آغوشِ لحد میں جب کہ سونا ہوگا
جز خاک ، نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
تنہائی میں آہ[۱] کون ہووے گا "انیس"
ہم ہو ویں گے اور قبر کا کونا ہوگا

اِدبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو ، جاگو ، کہ خوف اِسی راہ میں ہے
اُٹھو ، اُٹھو ، یہ خواب غفلت کب تک
دیکھو ، دیکھو ، اجل کمینگاہ میں ہے

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے
نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو "انیس"
دُر ایک طرف ، نور خدا ملتا ہے

چھٹتا ہے مقام ، کوچ کرتا ہوں میں
فرقت ، اے زندگی ، کہ مرتا ہوں میں
اللّٰہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کے دم اِس واسطے بھرتا ہوں میں

---

[۱] ـــ نل ، (آہ) ـ

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری　　افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر ' کہ دوزخ میں جلا '　　وہ رحم ترا ہے ' یہ عدالت تیری

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی　　بیگانے سے راحت ' نہ یگانے سے ملی
حقا ' کہ پلک نواز ہے ذات تری　　جنت اِنہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری　　خلق و کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے　　دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

جب خاتمۂ شاہ خوش اقبال کیا　　اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر　　سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

گھر میں ڈھونڈو ' نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو ' نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزار نجف میں مدح خواں ہوگا " انیس "
بلبل کو جو ڈھونڈو ' تو چمن میں ڈھونڈو

ہر دم ہے خیال عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوف آلٰہی دل میں
نافے کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہے سیاہی دل میں

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا　　کشتی وہ ہوئی غرق ' وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے " انیس "　　جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

بلبل یہاں آکے خوش بیانی سیکھے　　انداز فغاں مجھ سے ' فغانی ' سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ' ابر　　دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

آنکھ ابر بہاری سے لڑی رہتی ہے　　اشکوں کی ردا منہ پہ پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں　　یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

مضمونِ " انیس " کا نہ چربا اُترا　　اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی　　تصویر نہ کھنچ سکی ' تو چہرا اُترا

اندیشۂ باطل، سحر و شام کیا — عقبیٰ کا نہ ہائے کچھ سر انجام کیا
ناکام چلے جہاں سے، افسوس "انیس" — کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

طفلی دیکھی، شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اک روز جہاں سے جاں کھونا ہوگا — گور چھوڑ کے زیر خاک سونا ہوگا
بالش سے سروکار نہ بستر سے غرض — اپنا کسی تکیے میں بچھونا ہوگا

جب دار فنا سے جاں کھونا ہوگا
موت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی "انیس"
کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں — اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں
ہے راہ بہشت کتنی ہموار "انیس" — بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں — یہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دولتِ استغنا سے — آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں،
توفیق رفیق ہو، تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں "انیس"
کیوں رک گئے پاؤں، ہاتھ ملتا ہوں میں

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے؛ — ناداں، تجھے فکر آب دانے کی ہے
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فنا — آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

کیوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے؟ — ناداں، یہ کسے فریب تو دیتا ہے؟
لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف "انیس" — خالص جو ہے مشک، آپ بو دیتا ہے

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے، — بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے،
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا: — جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

دل بت سے اُٹھا کے حق پرستی کیجے '   ہے تیغ "انیس" قطع ہستی کیجے ؛
آخر اِک دن یہ پانوں ہوں گے بے کار ؛   بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کیجے

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گذری؛   کیونکر تاریک گھر میں تنہا گذری ؟
اے کلبۂ لحد کے سونے والو ' افسوس ؛   کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گذری ؟

اب زیر قدم لحد کا باب آپہنچا ؛   هشیار ہو جلد وقت خواب آ پہنچا
پوری کی بھی دوپہر ڈھلی ' آہ ؛ "انیس"   ہنگام غروب آفتاب آ پہنچا

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے ؟
جانا ہے تجھے کہاں ' کدھر پھرتا ہے ؟
اللّٰہ رے ' پیری میں ہوس دنیا کی !
تھک جاتے ہیں جب پانوں ' تو سر پھرتا ہے

داغ غم شہ ' سینے میں گل بوتے ہیں '   کیا کیا گہرِ بیش بہا لوتے ہیں
مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں "انیس"   اشک اُنکے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے '   پھر ہوگی جدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہوگا نہ ہاتھ پانوں مارے سے "انیس"   جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے   آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا   یاں اور گرہ سے اِک برس جاتا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے '   پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
ما بین زمین و آسماں یوں ہم ہیں ؛   جیسے دو آسیا میں اِک دانہ ہے

دبیر

سلامت علی "دبیر" مرزا غلام حسین کے بیٹے ' ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں دہلی میں پیدا ہوئے - چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے ' وہیں ہوش سنبھالا اور چند علما سے فضل و کمال حاصل کیا - شعر و سخن کے ساتھ خلقی مناسبت تھی - میر "ضمیر" مشہور مرثیہ گو کے فیض صحبت سے مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوئے اور مجالس عزا میں شریک ہونے لگے -

مشہور ہے کہ مرزا صاحب نے پندرہ برس کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی پچاس ساٹھ سال کی عمر تک تین ہزار مرثیے لکھے ' رباعیاں اِس کے علاوہ جو اکثر لاجواب ہیں - ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی [۱] -

مراثی

میدان جنگ میں جناب امام کی آمد

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے   رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے   ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہیبت سے ہیں نُہ قلعۂ افلاک کے در بند   جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمربند   سیارے ہیں غلطاں' صفت طائر پر بند
رنگت پہ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

---

[۱]— خمخانۂ جاوید ' ص ۱۵۸ ج ۳ و تاریخ ادب اردو ' ص ۳۱۷ و ۳۲۲ ج ۱ -

اُس رخش کو عباس اُڑاتے ہوئے آئے کوس "لمن الملک" بجاتے ہوئے آئے
اِک تیغ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے
کھینچے ہوئے غصے سے ہر ابرو کی کماں کو
اور تانے ہوئے پلکوں کی ایک ایک سناں کو

شیر خوار اور تشنہ لب علی اصغر پر تیر ستم

پھر ہونٹ بےزباں کے چومے جھکا کے سر رو کر کہا جو کہنا تھا سو کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی، اے مرے پسر سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
پھیری زباں لبوں پہ جو اُس نور عین نے
تھرّا کے آسماں کو دیکھا حسین نے
مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناگہاں لی حرملہ نے شانے سے دوتانک کی کماں
ترکش سے چن کے کھینچ لیا تیر جانستاں جوڑا کماں میں تاک کے حلقوم بےزباں
چھٹتے ہی، حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے
کیا سِن تھا تیر کھاتے ہی بچہ بلک گیا سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا ٹوپی گری زمین پہ منکا ڈھلک گیا
ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی سی آئی منہ سے انگوٹھے نکل پڑے
منہ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا یوں دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی ڈرا ہوا
آنکھیں پھرائے دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اُگلتے تھے اب خوں اُگلتے ہیں
شہ نے [۱] کہا لعینوں سے کیوں اے جوان و پیر ہم نے کہا تھا کیا، جو بھلا تم نے مارا تیر؟
تم سے کلام کرتا تھا میں یا کہ یہ صغیر اِس بےزباں نے تو نہ مانگا تھا آب و شیر
ثابت علی کے پوتے کی تم نے خطا نہ کی
تم نے ہمارے لانے کی بھی کچھ حیا نہ کی
ہنس ہنس کے سب حسین کے رونے پہ ہنس گئے شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم اُلٹ گئے

---

[۱] — ذِل (رو کر) -

اصغر ہمک ہمک کے پدر سے لپٹ گئے نلھے سے ہاتھ پانو لرز کر سمٹ گئے
ہونٹوں پہ شہ کے ہونٹ ملے اور گذر گئے
اِک بوسہ مسکرا کے لیا اور مرگئے

غم حسین

داغ غم حسین میں کیا آب و تاب ہے اِس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے
یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلبل ثواب ہے یہ داغ لالۂ چمن بوتراب ہے
پروانے ہیں جنان کے ' لحد کے چراغ ہیں
نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ ہیں
دل ہے کلیم اور ید بیضا یہ داغ ہے قندیل جس کی طور ہے یہ وہ چراغ ہے
اندیشۂ خزاں سے اِسے اِنفراغ ہے ہر وقت اشک سے تر و تازہ دماغ ہے
اِس اشک سے ہزار طرح کا فتوح ہے
عصیاں کے غرق کرنے کو طوفان نوح ہے

اسیروں کا قافلہ

عزیزو ' حادثۂ نو فلک دکھاتا ہے حرم کا قافلہ پیش یزید جاتا ہے
گلے بندھے ہیں بدن سب کا تھرتھراتا ہے نہ سانس لیتے ہیں قیدی نہ بولا جاتا ہے
جو گرتے ہیں تو ستمگار نیزے مارتے ہیں
وہ رو کے حیدر کرار کو پکارتے ہیں
کہوں اسیروں کا سب حال یہ مجال ہے کیا یہ ماتوبلند ہے کہ مضموں ہے دست بستہ کھڑا
ہوا ہے بیڑیوں سے بس کہ غلغلہ برپا بتول خلد میں حیدر کو دے رہی ہے صدا
بلند کرتی ہے فریاد یا علی ' زینب
چلو یزید کے دربار میں چلی زینب
اِدھر اسیروں کے بچوں کی نالہ و زاری اُدھر لعینوں کو زاری سے اُن کی بیزاری
جناب عابد بیکس اسیر و آزاری اور اہل ظلم کے آزار میں دل آزاری
سکینہ کہتی تھی امّاں ' چلا نہیں جاتا
اشارہ کرتی تھی ماں ' کچھ کہا نہیں جاتا

صبح

جب ختم کیا سورۂ "واللیل" قمر نے اور سجدۂ انجم کو لگا ہاتھ سے دھرنے

آغاز کیا آیۂ "والشمس" سحر نے　　اور رو کے کہا فاطمۂ خستہ جگر نے
پوشیدہ ہوا روے قمر چرخ بریں میں
چھپ جائے گا اب چاند ہمارا بھی زمیں میں

وہ روشنی صبح وہ جنگل وہ بیاباں　　وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا ساماں
ہر مرتبہ جنبش میں باہم برگ درختاں　　اور شاخوں پہ وہ زمزمۂ مرغ خوش الحاں
خورشید کی وہ جلوہ گری اوج و سما سے
اور خیموں میں بجھنا وہ چراغوں کا ہوا سے

سورج کی کرن سبزۂ صحرا پہ جو آئی　　وہ فرش زمرد بھی ہوا فرش طلائی
مرغان سحر مستعد نغمہ سرائی　　اور فاطمہ دیتی تھی محمد کی دُہائی
آہ دل زہرا جو شرر بار ہوئی تھی
خورشید کے خرمن میں بھی اک آگ لگی تھی

وہ پرتو مہر اور وہ ذروں کا چمکنا　　اور ساغر خورشید سے وہ نور چھلکنا
اور خیمے میں شبیر کے بہنوں کا بلکنا　　سر خاک پہ ہر مرتبہ رو رو کے پٹکنا
عالم تھا یہ اُس دم حرم خاک نشیں پر
تسبیح گرے ٹوٹ کے جس طرح زمیں پر

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی　　پنہاں درازی پر طاؤس شب ہوئی
اور قطع زلف لیلیِ زہرہ لقب ہوئی　　مجنوں صفت قبائے سحر چاک سب ہوئی
فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لیے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لیے

یوسف فراق چاہ میں ناگہ نہاں ہوا　　یعنی غروب ماہ تجلّی نشاں ہوا
یونس دہانِ ماہیِ شب سے عیاں ہوا　　یعنی طلوع نیّر مشرق ستاں ہوا
فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا فلک کا وہ جیب دریدہ تھا　　یا چہرۂ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا　　یا فاطمہ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کہیے نہ مہر صبح کے سینے پہ داغ تھا
امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

کیا رو سفید فوج خدا ہے ظہور صبح — آتی ہے ان کے عقد عبادت میں حور صبح
رخ سے طلوع مہر، جبیں سے ظہور صبح — اک سمت ان کا نور ہے اک سمت نور صبح
سر سجدے میں، بدن ہے قعود و قیام میں
کیا صبح کی بہار ہے فوج امام میں

آواز " ارکعوا " جو ملائک سناتے ہیں — غازی نماز پڑھ کے مصلّے اٹھاتے ہیں
تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں — سجدے کو آستانۂ مولا پہ آتے ہیں
در پر رکھے جبینوں کو سب خوشخصال ہیں
ایک آسماں ہے اور بہتّر ہلال ہیں

مثل قمر یہ عابد شب زندہ دار ہیں — مانند مہر متقیِ روزگار ہیں
شکلِ فلک رکوع میں لیل و نہار ہیں — مثل زمیں سجود میں یہ خاکسار ہیں
سبحے کی ان کے ہاتھ سے کیا قدر بڑھتی ہے
تسبیح ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھتی ہے

رات

ناگاہ بیاباں میں زلیخائے شب آئی — یوسف کی طرح چاند نے کی جلوہ نمائی
طلعت علم کاہکشاں نے جو دکھائی — خورشید نے بجلی چہِ مغرب میں گرائی
بے نور تھی شب، غم سے شہ جن و ملک کے
کہتے یہ قمر داغ تھا سینے پہ فلک کے

حضرت عباس کی تلوار

پھر میاں سے تلوار عجب ڈھنگ سے نکلی — غل تھا وہ گل فتح کی بو رنگ سے نکلی
لینے کے لیے جان، صف جنگ سے نکلی — یہ سر پہ سواروں کے پڑی تنگ سے نکلی
ہٹ ہٹ کے صدا موت نے دی فوج ستم کو :
اب خیر نہیں ' آؤ مرے ساتھ عدم کو

کیسی رگ جاں، تیغ نے ریشے کو نہ چھوڑا — پہنچے پہ جو وہ پہنچی تو نیشے کو نہ چھوڑا
بے جان لیے، شیروں کے بیشے کو نہ چھوڑا — پر ظالموں نے مکر کے پیشے کو نہ چھوڑا
سر کٹ کے گرے ' پانو اٹھانے لگے ظالم؛
آنکھ ایک طرف ' جان چرانے لگے ظالم

ہر دم تھی وہ شمشیر دو دم اوج کے اوپر   سو بار گری برق، صف فوج کے اوپر
گہ فرد کے سر پر تو کبھی زوج کے اوپر   تھا شور کہ ہے سیل فنا موج کے اوپر
ظاہر تھی کبھی اور کبھی آنکھوں سے نہاں تھی
قدرت تھی خدا کی: کبھی یاں تھی کبھی واں تھی

گہ خود کے فانوس میں یہ شمع تھی روشن،   گہ برج سر فوج میں تھی پرتوہ افگن
گہ گردن و گہ سینۂ اعدا کیا مسکن،   گہ جوشن و بازو ہوئی، گہ داخل جوشن
پاکھر میں جو پوشیدہ ہوئی، یال سے نکلی
اُس چال سے نکلی کبھی اِس چال سے نکلی

نکلی کبھی مثل مہ نو چرخ کہن سے   گہ زیر زمیں چھپ گئی غرّہ کیا رن سے
سن سن جو چلی، فوج کا جی ہو گیا سن سے   سر ہو گئے گردن سے جدا، روح بدن سے
یہ وصف اسی تیغ غضبناک میں دیکھا:
گہ غرق زمیں میں، کبھی افلاک میں دیکھا

شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی   جاں تن کے تنِ زشت عمل سے نکل آئی
گہ حُر کی طرح فوج دغل سے نکل آئی   دریا میں جو تیری تو جبل سے نکل آئی
ہلتی تھی زمیں، گاو زمیں کانپ رہی تھی؛
ساتھ اُس کے جو پھرتی تھی اجل ہانپ رہی تھی

ہر بار نئی چال، نیا طور، نیا ڈھنگ   اسواروں کو پیدل کیا، پیدل کیے چورنگ
گہ زین پہ، گہ باگ پہ، اور گہ بہ سر تنگ   گہ تنگ لیا، گاہ لعینوں کا دل تنگ
بل کھاتی تھی گہ اژدر خونخوار کے مانند،
اعدا کے گلے میں تھی کبھی ہار کے مانند

تیروں میں جو چمکی صفت کاہ جلایا   ہر سمت پڑا تودہ پھلوں کا نظر آیا
پر تیر کا، شہباز نے سہواً جو ہلایا   نکلا تھا نہ گوشے سے کہ جو اُس کو گرایا
دہشت سے فراموش سب انداز ہوئے تھے
خود گوشے میں پنہاں قدر انداز ہوئے تھے

شمشیر علمدار تھی یا فصل بہاری   جنگل ہوا گلزار وہ چشمے کیے جاری
زخموں سے بنائے شجر گل قد ناری   اک ایک روش باغ کی لاشوں سے سنواری
پانی کے عوض خون کی اِک نہر رواں تھی
ظاہر میں بہار اور وہ باطن میں خزاں تھی

تیغوں پہ پڑی تیغ، تو تیغیں ہوئیں آری؛ آری ہوئیں تیغیں، تو ستمگر ہوئے عاری؛
عاری ہوئے ناری، تو ہوا سر اُنہیں بھاری؛ بھاری ہوا جب سر، تو سبک ہو گئے ناری
ناری تھے سبک اِس سے کہ سر دور تھا تن سے
سر دور تھا تن سے کہ قدم اُٹھتے تھے رن سے

آئی جدھر اک سیل بہاتی ہوئی آئی سب کو کلمہ اپنا پڑھاتی ہوئی آئی
واں سقر و نار بتاتی ہوئی آئی ہر فرد کے چہرے کو مٹاتی ہوئی آئی
تھیں برچھیوں کی شمعیں جو روشن، وہ بجھادیں
دیواریں صفوں کی جو کھڑی تھیں، وہ گرادیں

مغفر سے اگر چھو گئی، گردن میں در آئی گردن سے بڑھی، سینۂ دشمن میں در آئی
سینے کو کیا چاک، تو جوشن میں در آئی جوشن سے جو نکلی، تو وہ توسن میں در آئی
توسن سے جو اُتری، تو نہ پھر رن میں کہیں تھی
واں تھی، نہ جہاں گاو زمیں تھی، نہ زمیں تھی

رباعیات

جو روضے میں باریاب ہوجاتا ہے وہ اوج میں لاجواب ہوجاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پہ چراغ وہ صبح کو آفتاب ہوجاتا ہے

خورشید سر شام کہاں جاتا ہے روشن ہے "دیور" پر جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب کو ہے قبر حیدر یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

میزان سخن سنج میں تلتا ہوں میں فکر گہر نظم میں گھلتا ہوں میں
دل رہتا ہے بند قفل ابجد کی طرح جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

ہم شان نجف نہ عرش انور ٹھہرا میزاں میں یہ بھاری وہ سبک تر ٹھہرا
اِس پلے میں تھا نجف اور اُس پلے میں عرش پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر ٹھہرا

کہتی ہے زمیں ہمسر عرش آج میں ہوں زیر قدم صاحب معراج میں ہوں
آواز لب فرش سے ہوتی ہے بلند طرہ یہ ہے سب پہ عرش کا تاج میں ہوں

عشق

آغا سید حسین مرزا "عشق" لکھنؤ کے رہنے والے، میر انیس اور مرزا دبیر کے ہمعصر، مرزا اُنس کے بھتیجے اور شاگرد تھے [۱] - مرثیے کے علاوہ اور اصناف سخن میں بھی مشق بہم پہنچائی تھی - اِن کے مرثیوں کا مجموعہ دو جلدوں میں چھپا ہے، جو سلام، نوحے اور مرثیے کے تمام اصناف پر حاوی ہے - ۱۲۸۳ھ تک زندہ تھے [۲] -

یہ اپنے مرثیوں میں اکثر صنائع و بدائع کو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ آورد کا رنگ معلوم نہیں ہوتا - معمولی بات، غیر معمولی اہتمام سے بیان کرتے ہیں، جا بجا الفاظ کی کثرت ہوجاتی ہے لیکن معنوی نقص پیدا ہونے نہیں دیتے -

سراثی

مناجات

سنبھال، دونوں جہاں کے سنبھالنے والے معین، کوہ مصیبت کے ٹالنے والے،
مفر، نجات کی صورت نکالنے والے، پناہ دے مجھے، اے میرے پالنے والے

رحیم کون ہے تجھ سا بھلا جہاں جاؤں
بتا مجھے ترے در کے سوا کہاں جاؤں

تعلی

ایک قطرہ دُر خوش آب ہوا داغ بے نور ماہتاب ہوا
ذکر میر ابو تراب ہوا عشق ذرے سے آفتاب ہوا

کیا اندھیرا فروغ نور بنا ؟
تھا شرارہ، چراغ طور بنا

[۱]—تاریخ ادب اردو ص ۳۳۴ ج ۱، و سخن شعرا ص ۳۳۲ -
[۲]—کلیات منیر ص ۲۰۱ مطبوعہ ۱۲۹۶ھ میں ۲۱ صفر ۱۲۸۳ھ کا ایک خط اِن کے نام کا موجود ہے -

شکر خدا کہ عجز میں ہم لا جواب ہیں
پیرو غرور کی ہیں ادب کا شباب ہیں
ذرّوں کا جس کو پاس ہے وہ آفتاب ہیں
کیوں کر نہ ہوں [۱] کہ خاک در بوتراب ہیں
تکلیف سر اُٹھا کے نہ دیں خار کی طرح
دشمن سے جھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

منقبت

اقبال شہ دیں کے ہما ہیں علی اکبر
چشم گل زہرا کی ضیا ہیں علی اکبر
سب کہتے ہیں کیا جانیے کیا ہیں علی اکبر
ہے مجھ کو یقیں نور خدا ہیں علی اکبر
رخسار ہیں یا مصحف پر نور کھلے ہیں
دادا کی طرح عقدہ کشائی کو تلے ہیں

حضرت علی اکبر کا سراپا

ذکر شب معراج ہے افسانۂ گیسو — زیبا ہے اگر چاند بنے شانۂ گیسو
سنبل ہے پریشاں کہ ہے دیوانۂ گیسو — ہے کاہکشاں جلوۂ کاشانۂ گیسو
ہوں وصف بیاں یہ کسے ارمان نہیں ہیں؟
اعمال شب قدر کے آسان نہیں ہیں

کیا چشم ہے یارا نہیں شیروں کو نظر کا
اس آنکھ سے پردہ نہیں کچھ نیکی و شر کا
ہے نور عجب مردمک چشم قمر کا
آغوش میں آہو کے ستارا ہے سحر کا
منہ زرد ہے نرگس نگراں ہے جو تعب میں
دیکھا ہے اِن آنکھوں کو مگر عین غضب میں

شب کور بصارت کا سہارا انہیں سمجھیں
مژگاں سے جفاکیش صف آرا انہیں سمجھیں

[۱]—نل (نہ ہو) -

خوش چشم جہاں جان سے پیارا انہیں سمجھیں
سب اہل نظر آنکھ کا تارا انہیں سمجھیں
راتوں کو نہ ہوں بند وہ کالی ہیں یہ آنکھیں
اسرار خدا دیکھنے والی ہیں یہ آنکھیں

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں جاتے ہیں

مہتاب سے اختر کی جدائی کا بیاں ہے — شبیر سے اکبر کی جدائی کا بیاں ہے
ہم شکل پیمبر کی جدائی کا بیاں ہے — رشک مہ انور کی جدائی کا بیاں ہے
پر گرد ہیں کھڑے پسر شیر خدا کے
اٹھے ہیں لحد اصغر ناداں کی بنا کے

دشمن اشتعال دیتے ہیں

کچھ آج زور فاتح خیبر دکھائیے — برق حسام اے مہ انور دکھائیے
ناحق ہے عجز تیغ کے جوہر دکھائیے — سبط نبی، شجاعت حیدر دکھائیے
جاتا رہا ہے پیاس سے کیا آج تن کا زور ؟
ہاتوں میں آپ کے نہیں خیبر شکن کا زور

تلوار کی تعریف

شاخ حسام خون سے گل پوش ہوگئی — سر کٹ گئے تو فوج سبکدوش ہوگئی
پتلی ہر ایک آنکھ میں بیہوش ہوگئی — ہر شے کے ڈر سے یاد فراموش ہوگئی
فرق عدو سے موت کا ٹلنا محال تھا
جس پر گری وہ تیغ ، سنبھلنا محال تھا

مونس

میر محمد نواب "مونس" میر انیس کے چھوٹے بھائی اپنے والد میر مستحسن "خلیق" سے مشورۂ سخن کرتے تھے [۱] - مرثیہ گوئی میں کسی طرح اپنے بڑے بھائی سے کم نہ تھے - لیکن گوشہ نشینی کی وجہ سے مشہور نہ ہوئے - نہایت زود گو تھے- ان کے یہاں ہر مہینے کی چھبیسویں کو مجلس ہوتی تھی جس میں یہ ہمیشہ نیا مرثیہ پڑھا کرتے تھے - پڑھنے کا طرز نہایت موثر اور دلکش ہوتا تھا - مرثیے کے علاوہ ابتدا میں غزلیں بھی کہی ہیں - ان کے مرثیوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے - ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی [۲] -

مشکل زمینوں میں محاورے اور زبان کو قائم رکھتے ہیں- سلاموں میں استعارے اور کنائے کی جھلک معلوم ہوتی ہے - انیس اور دبیر کے بعد ان کے مراثی میں سب سے زیادہ آمد کی شان اور آورد کی بلندی ہے -

مراثی

تعلّی اور حمد

گلگونہ کش عارض لیلائے سخن ہوں
ہر هفت [۳] کن چہرۂ سلمائے سخن ہوں
دلدادۂ حسن رخ زیبائے سخن ہوں
خود شیفتۂ زلف چلیپائے سخن ہوں
کیا حسن دکھاتے ہیں بتان چگل [۴] اپنا
یہ ہے وہ سلاسل کہ مسلسل ہے دل اپنا

---

[۱]—سخن شعرا - ص ۴۷۴ - [۲]—تاریخ ادب اردو، ص ۳۲۴ - ج ۱ -

[۳]—هر هفت، کنایہ از زیب و زینت عموماً و آرائش و زینت هفتگانہ خصوصاً (یعنی ساتوں سنگار) - بہار عجم -

[۴]—چگل بکسرتین، فت، شہریست بہ ترکستان منسوب بداں جا را چگلی گویند و بخوب روئی و تیر اندازی معروف اند - فرہنگ آنندراج -

خوبان جہاں سب ھیں یہ سب میں ھے یہی خوب
پیارا ھے یہی روح کو ' جاں کو یہی مطلوب
مطبوع یہی طبع کو ' دل کو یہی مرغوب
معشوق کا معشوق ھے ' محبوب کا محبوب
دیکھا ھی کرے چشم کو منظور یہی ھے
غلماں یہی ؛ رضواں بھی یہی ' حور یہی ھے

یارب تری قدرت کی یہ سب جلوہ گری ھے
یہ خشک زراعت تری رحمت سے ھری ھے
تیرے ھی کرم سے مرے گلشن میں تری ھے
درویش کی جھولی گل جنت سے بھری ھے
اب فکر ھے کیا ھدیۂ مقبول لیے ھوں
رنگین چمن نظم کے میں پھول لیے ھوں

تعلّی

اے دست قلم' شانہ کش زلف سخن ھو   اے تختۂ قرطاس سخن[۱] رشک چمن ھو
اے شمع زباں ' روشنیِ بزم حسن ھو   اے شاھد مضموں' نئے جلوے سے دلھن ھو
اِک حور سراپا متجلّی[۲] نظر آئے
ھر نقطے کے گھونگٹ میں تجلی نظر آئے
گلگونۂ رخسار سخن ھے ترا جلوہ   لفظوں[۳] کے لیے حُسن حسن ھے ترا جلوہ
تزئین عروسان چمن ھے ترا جلوہ   دل جس پہ ھے شیدا وہ دلھن ھے ترا جلوہ
خالی جو تجلی سے ھو وہ طور نہیں ھے
بے نور ھے مجلس جو ترا نور نہیں ھے
اے جان جہاں' جان ھے تو نظم کے تن کی   رونق ھے ترے نور[۴] سے اِس تازہ چمن کی
تجھ سے ھے چمک قافیہ سنجان زمن کی   گر تو نہ ھو' پوچھے نہ کوئی بات سخن کی
کچھ نظم کی توقیر نہ ھو ' شان نہ ھووے
پھر خاک ھے قالب میں اگر جان نہ ھووے

---

[۱]—نل (سون) - [۲]—نل (متجلی) - [۳]—نل (نقطوں) - [۴]—نل (رنگ) -

منقبت

تاج سر سخن ہے شہ "لافتیٰ" کی مدح — حسن رخ کلام ہے مشکل کشا کی مدح
لفظوں کا نور ہے اسد کبریا کی مدح — خلعت ہے حرف حرف کا دست خدا کی مدح

جب تک زباں رہے صفت مرتضیٰ کرے
بلبل وہ خوش نوا ہے جو گل کی ثنا کرے

شیر خدا ، شجاع عرب ، شاہ نامدار — نور مبین ، چراغ ہدایت ، فلک وقار ،
فیاض خلق ، صاحب صمصام ذوالفقار ، — آدم کا فخر ، حضرت عیسیٰ کا افتخار ؛

مولد ملا تو خالق اکبر کا گھر ملا
کعبہ صدف بنا تو علی سا گہر ملا

مناقب اہل بیت

ایک سے ایک جو خوشرو تو حسیں ایک سے ایک
سبزہ رنگوں میں زیادہ نمکیں ایک سے ایک
رشتہ واحد پہ فزوں دُر ثمیں ایک سے ایک
صورت دانۂ تسبیح قریں ایک سے ایک
شور تھا لاکھ پہ بھاری ہیں جو ہوں سو ایسے
اللّٰہ اللّٰہ امام ایسا ہو پیرو ایسے

صادق القول ہیں ، نامی ہیں ، نمودار ہیں سب
سجدے تیغوں سے کریں گے یہ وہ جرار ہیں سب
حافظ و متقی و زاہد و ابرار ہیں سب
کیوں نہ ہو مصحف ناطق کے نمکخوار ہیں سب
آیتیں دین کی ہیں [شیفتہ] باری ہیں
کہہ دے قرآن بحلف خود کہ یہی قاری ہیں

وہ عبائیں مدنی اور وہ قبائیں عربی
مکّی و فاطمی و ہاشمی و مطّلبی
صاف پیشانیاں ، آئینۂ عالی نسبی
رشتہ داران علی [شیفتہ] آل نبی
ایک تسبیح امامت کے یہ سب دانے ہیں
اُسی تسبیح کے شمسے ہیں جو یگانے ہیں

سورۂ حمد ثناخواں ہے زہے عزت و جاہ
سورۂ قدر ہے توقیر سے اِن کی آگاہ
اِن کی تکبیر کا کیا ذکر ہے ' سبحان اللہ !
ہے تشہد بھی شہیدوں کی عبادت پہ گواہ
بیٹھتے تھے تو قعود اِن سے شرف پاتا تھا
اِن کی تعظیم قیام اُٹھ کے بجا لاتا تھا
عین الطاف سے کرتا تھا نظر رب جلیل
کبھی تکبیر تھی لب پر تو کبھی تھی تہلیل
روم و اِطباق و مد و ہمس و [صفیر] و ترتیل
وہ قرات کہ عرب میں بھی نہ تھا جس کا عدیل
عرش پر سنتے تھے قدسی شہدا کی باتیں
تھے تو بندے پہ زباں پر تھیں خدا کی باتیں

حضرت علی اکبر کی منقبت

اے طبع رسا ' صیقل شمشیر زباں ہو اے پرچۂ الماس سخن ' نور فشاں ہو
اے شمع ذکا ' روشنیِ بزم جہاں ہو اے مو قلم ' آئینۂ کاغذ پہ رواں ہو
ہر چشم کو صورت نظر آجائے نبی کی
تصویر کھنچے صاف رسول عربی کی
اقلیمِ ثریا سے قلم باج ستاں ہے کاغذ ورق مہ کی طرح نور فشاں ہے
نقطوں پہ درخشندہ ستاروں کا گماں ہے حسنِ رخِ ہمشکل محمد کا بیاں ہے
وہ حُسن کہ خورشید بھی پروانہ ہے جس کا
مصباح دل انجمن افسانہ ہے جس کا
وہ نور جو ہے نورمبیں خلق میں مشہور اُس نور کے ہمشکل کی تصویر ہے منظور
ہاں برق[۱] قلم ' قطع ' ہو شاخ شجر طور اور حل ہو سیاہی کے عوض سرمۂ حور
[شنجرف] کی جا سرخی روئے شفق آئے
خورشید درخشاں کا طلائی ورق آئے

---

[۱]—نل (بہر) ۔

حضرت زینب کے پسر

زینب کے بھی کیا صاحب اقبال پسر تھے
دونوں چمنستانِ وفا کے گل تر تھے
کہنے کو وہ لڑکے تھے یہ شیروں کے جگر تھے
ذروں میں تھے خورشید ستاروں میں قمر تھے
عاشق تھے دل و جاں سے امام ازلی کے
دو گوہر نایاب تھے رشتے میں علی کے

لاکھوں برس ایسے گل رعنا نہیں ملتے
موتی تو بہت، پر دُر یکتا نہیں ملتے
اسباب حشم، خلق میں کیا کیا نہیں ملتے
لیکن یہ جواہر کبھی اصلا نہیں ملتے
اب تک نہ کسی صاحب اقبال نے پائے
یہ لال فقط فاطمہ کے لال نے پائے

حضرت علی کا نام

نام خدا، یہ نام ہے شمع سرائے دل
سینہ ہے کوہ طور تجلی فضائے دل
دکھ میں دوائے دل ہے، مرض میں شفائے دل
دل اِس کے واسطے، یہ علم ہے برائے دل
کرسی کے ساتھ رفعت عرش بریں بھی ہو
نام علی ہو نقش تو اعلیٰ نگیں بھی ہو
ہر درد و غم میں باعث آرام ہے یہ نام
کہف الانام دافع آلام ہے یہ نام
ورد ملائکہ سحر و شام ہے یہ نام
اعظم جو سب میں نام ہے وہ نام ہے یہ نام
تاثیر اِس کی یوسف کنعاں سے پوچھیے
اِس نام کے اثر کو سلیماں سے پوچھیے

صبح کا نور

آمد وہ آفتاب کی اور وہ سحر کا نور   کافور ہوگیا تھا فلک پر قمر کا نور
بالا تھا نخل طور سے ہر اک شجر کا نور   پھیلا تھا چاندنی کی طرح دشت و در کا نور
غنچوں کے منہ جو صبح نے شبنم سے دھوئے تھے
گویا گلوں نے عطر میں چہرے ڈبوئے تھے

بستان کربلا کی وہ بو باس وہ بہار   مرغان خوشنوا کا چہکنا وہ بار بار
کوکو وہ قمریوں کی، وہ طاؤس کی پکار   نالے وہ بلبلوں کے، وہ سبزہ، وہ لالہ زار
کرتے تھے وجد کبک دری کوہسار میں،
بن میں غزال محو تھے، ضیغم کچھار میں

حضرت عون و محمد کی جنگ

بڑھ بڑھ کے پھر نقیبوں نے جلدی جمائی صف
جھک جھک کے پھر اُٹھے علم فوج ہر طرف
پھر، تا فلک پہنچ گئی آواز کوس و دف
پھر فوج میں دھنسے اسد بیشۂ نجف
جاتے تھے نعرے مار کے یوں ہر سوار پر
جس طرح شیر بھوک میں جھپٹے شکار پر
ہلچل پروں میں پڑ گئی، غازی جدھر گئے
اُلٹیں صفیں صفوں پہ، نمازی جدھر گئے
کھیلا شکار، شیر حجازی جدھر گئے
اک تازہ آفت آ گئی، تازی جدھر گئے
کیونکر اُڑیں نہ ہوش، جب ایسی ہوا چلے؟
ہرنوں کا زور شیر کے بچوں سے کیا چلے؟

وہ نیمچے چمک کے برابر جدھر چلے   دو کردیا اُسے اِسے چورنگ کر چلے
بر میں لباس سرخ پہن کر نکھر چلے   کاٹ اِتنا کھل گیا کہ یہ جس فرق پر چلے
دامن بچا سپر کا، نہ چھوڑا کمند کو
مقراض بن کے قطع کیا بند بند کو

حضرت عباس کی جنگ

یہ سن کے بڑھے سب قدر انداز قضا را — نعرہ اسد حیدر کرار نے مارا
صحرائے پُر آشوب لگا گونجنے سارا — معلوم ہوا شیر، نیستاں میں ڈکارا
اُڑتے ہوئے مرغان چمن دشت سے بھاگے
صحرا سے چلے شیر، ہرن دشت سے بھاگے

بڑھتے تھے کہ رہوار کی گردن پہ لگا تیر — آتا تھا اُدھر سن سے کہ توسن پہ لگا تیر
کھینچا اُسے گردن سے کہ جوشن پہ لگا تیر — پھر تاب کہاں، شیر کے جب تن پہ لگا تیر
اُس خشم میں پُر خشم فزوں ہوگئیں آنکھیں
گلگوں [۱] کا لہو دیکھ کے خوں ہوگئیں آنکھیں

تلوار

کس کرّ و فر سے فوج پہ تیغ جری چلی — ہر سر پہ کھیلتی ہوئی گویا پری چلی
خشکی پہ گہ [۲] چلی کبھی سوئے تری چلی — خالی کیا صفوں کو لہو میں بھری چلی
ظاہر تھی بانکپن سے کجی، رنگ لال تھا
تلوار تھی کہ خوں کی شفق میں ہلال تھا

زیر سپر اُڑا کے کلائی نکل گئی — چار آئنے میں برق سی آئی، نکل گئی
فولاد کو دکھا کے صفائی نکل گئی — دل میں لگی، جگر میں سمائی، نکل گئی
جوشن میں بھی تھما نہ گیا اُس حسام سے
یوں نکلی جیسے ماہیِ بے آب دام سے

دکھلا رہی تھی تیغ دو دم تیز دستیاں — چشمک یہ تھی کہ اور کرو بت پرستیاں
کافر شراب کفر کی بھولے تھے مستیاں — غل تھا اُجڑ گئیں کئی شہروں کی بستیاں
کہتے تھے اب نہ پانو، نہ قابو میں ہاتھ ہے
جائیں کدھر، غنیم اجل ساتھ ساتھ ہے

بجلی سی کوندتی کبھی بھالوں پہ چل گئی — بیٹھی ادھر تو برچھیوں والوں پہ چل گئی
تیغوں پہ گہ چلی کبھی ڈھالوں پہ چل گئی — گہ پیدلوں پہ، گاہ رسالوں پہ چل گئی
تائید تھی جو فاتح بدر و حنین کی
لشکر میں شور تھا کہ دہائی حسین کی

---

[۱]—مراد رہوار یعنی گھوڑا ۔ [۲]—نل (گر) ۔

وہ تیغ کیا بڑھی اجل جاں ستاں بڑھی　　یا اژدھے کے منہ سے نکل کر زباں بڑھی
یا برق ' ابر سے طرف آسماں بڑھی　　یا سیل ' کوہ سے سوئے آب رواں بڑھی
دیکھی نہ جائے امن جو دارالفساد میں
خالی کی شہسوار نے کاٹھی جہاد میں

یوں میان سے ہوئی وہ جلالت قریں جدا　　قل تھا کہ دست برگ سے ہے آستیں جدا
تن سے جدا ہے روح ' مکاں سے مکیں جدا　　معنے جدا ہیں آیۂ فتح مبیں جدا
رخ سے وہ ہٹ گئی جو ردا تھی رکی ہوئی
گویا دلھن [محافے] سے نکلی جھکی ہوئی

جب سرکشوں نے تیر لگائے جناب کو　　تولا جری نے ہاتھ میں تیغ خوش آب کو
لے دم ' یہ تاب کب تھی پھر اُس برق تاب کو　　دیکھا اُٹھا کے سر ' سپر آفتاب کو
چمکی تو "یا حفیظ" ملک کہہ کے ہٹ گئے
[تورّا] کے سب خطوط شعاعی سمٹ گئے

بھڑکی اِک آگ ' برق جدھر آئی تیغ کی　　ٹھنڈا تھا ' جس نے گرم ہوا کھائی تیغ کی
وہ صف دری ' وہ معرکہ آرائی تیغ کی　　تھی دور سے اجل بھی تماشائی تیغ کی
قبضے میں موت تھی ' تو اجل اختیار میں
بسمل بھی لوٹتے تھے مزا تھا یہ وار میں

جوہر میں ' کس میں ' کاٹ میں ' وہ لاجواب تھی　　ناری جو آگ تھے تو وہ شمشیر آب تھی
بڑھنے کی برچھیوں کو نہ تیروں کی تاب تھی　　بے چلہ ہر کمان کیانی خراب تھی
افتادہ تھیں زمیں پہ سنانیں نٹی ہوئی
خنجر دکھا رہے تھے زبانیں کٹی ہوئی

کٹ جائے جب زباں ' تو بشر کام کیا کرے؟　　زیں سے نہ کھنچ سکے ' تو تبر کام کیا کرے؟
بجلی گرے ' تو مغفر سر کام کیا کرے؟　　تیغ اجل گرے ' تو سپر کام کیا کرے ؟
موت آئے جب ' تو قلعۂ آہن بھی ہیچ ہے '
چار آئینہ بھی ہیچ ہے ' جوشن بھی ہیچ ہے

اُس غول میں موت آئی جدھر آگئی تلوار　　ڈھالوں کی گھٹا فرق سے سرکا گئی تلوار
اِک دم میں لہو خاک پہ برسا گئی تلوار　　جو آگیا قبضے میں اُسے کھا گئی تلوار
تھی ختم صفائی زبس اُس آفت جاں پر
دیکھا تو نہ منہ پر کہیں خوں تھا نہ زباں پر

حضرت عباس کا گھوڑا

سکھراؤ کر رہی تھی اِدھر تیغ سربلند
پامال کر رہا تھا اُدھر فوج کو سمند
گردش تھی اُس کی آھوے خورشید سے دو چند
سرعت سے جست و خیز سے دم تھا پری کا بند
جس پر رکھا جھپٹ کے قدم وہ فنا ھوا
پھرتا تھا فوج شام میں بجلی بنا ھوا

چمکے جو نعل، تیغ چکاروں پہ چل گئی
شوخی سب آھوان ختن کی نکل گئی
چاروں سموں سے اُس کے صبا منہ جو مل گئی
سمٹا لیا بدن کو، کنوتی بدل گئی
اُڑنے کا ٹھاٹ دیکھ کے پریاں اُچھل پڑیں
سینے سے منہ ملا دیا آنکھیں نکل پڑیں

دو مل کے جنگجو اگر آئے پئے نبرد
جولاں کیا دلیر نے رخش جہاں نورد
بس ایک ضرب تیغ میں دونوں تھے گرد برد
بسمل اِدھر یہ گرم زمیں پر اُدھر وہ سرد
گرتے ھی بند جامۂ ھستی کے کھل گئے
معلی ھو اِک یہ تیغ دو ھستی کے کھل گئے

گھوڑا

غل تھا پری خصال ھے شبدیز برق [تاز]
تھمتا نہیں زمیں پہ، اللّٰہ رے، تیرا ناز
طاؤس دشت میں، تو ھوا پر ھے شاھباز
بجلی کی ھے تڑپ وہ جواھر نگار ساز
نوری کا حسن چہرے سے پیدا ھے گرد میں
تحت الحنک کو باندھے ھے رستم نبرد میں

پاکھر ھے آھنی، کہ ھے جوشن میں جسم سام؟
لیلیٰ کے دونوں ھاتھ ھیں گردن میں، [یا] لگام

رخشاں رکاب ہے ' کہ ہلال فلک مقام؟
اِتنا ہو تیز گام ' فرس کا نہیں یہ کام
اُڑنا سمت سمت کے قرینہ ہے شہر کا
آہو کے ہاتھ پانوں ہیں ' سینہ ہے شہر کا
بکھرے ہوئے ایال کے گردن پہ بال تھے
طاؤس سرنگوں تھے پریشاں غزال تھے
ابتر تھے مورچے ' تو پرے پائمال تھے
خوں کی حنا سے [زانوؤں] کے پانوں لال تھے
تھکتا نہ تھا کہ اُس کے قدم راہ حق میں تھے
نعلوں کی ضو سے چار مہ نو شفق میں تھے
جب دور دور ہٹ گئے نزدیک سے عدو
ٹھہرا فرس کو روک کے دم بھر وہ نیکخو
ناگہ وہاں سے ایک سلحشور جنگ جو
آیا اُڑا کے رخش کو اکبر کے رو برو
نعرہ کیا کہ رستم و سہراب و سام ہوں
میں یکّہ تاز فوجِ دلیران شام ہوں

جناب امام کا سر

اُس وقت پہنچی زینب ناشاد [و] نوحہ گر
جب شمر ہاتھ میں لیے جاتا تھا شہ کا سر
بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں اِدھر اُدھر
رخسارے دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
تھی خاک'سجدہ گاہ جبیں پر حسین کی
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہ کے نور عین کی
قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بو تراب
اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
روشن تھا بعد قتل بھی رخ مثل آفتاب
ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

بے وطنی

انساں کے لیے موت ہے غم بیوطنی کا
جانکاہ ہے اندوہ و الم بیوطنی کا
صدمہ نہیں کچھ موت سے کم بیوطنی کا
آفت ہے قیامت ہے ستم بیوطنی کا

غربت میں چمن ہے خس و خاشاک سے بدتر
گر تخت سلیماں ہو تو ہے خاک سے بدتر

همراہ جو سو طرح کی راحت کا ہو ساماں
پژمردگیِ دل نہیں جاتی کسی عنواں
پھرتا ہے نظر میں چمن بزم عزیزاں
ہوتا ہی نہیں غنچۂ خاطر کبھی خنداں

ہر گام پہ چشموں سے چھلک پڑتے ہیں آنسو
شبنم کی طرح رخ پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو

یہ حال مسافر ہی پہ کچھ خوب ہے روشن
بلبل بھی پھڑکتی ہے جو چھٹتا ہے نشیمن
یاد آتی ہے آسودگیِ راحت مسکن
ہوجاتا ہے داغوں سے جگر غیرت گلشن

سچ ہے کہ غم بیوطنی سخت الم ہے
پھر آنے کی اُمید نہ ہو جب ' تو ستم ہے

سلام

مزا نہیں ہے خموشی کا خوش بیاں کے لیے
زباں سخن کے لیے ہے سخن زباں کے لیے
نہ سوئے رات کو امت کے غم سے ختم رسل
محافظت میں کہاں نیند پاسباں کے لیے ؟

ریاض دہر میں ہم مثل سرو ہیں آزاد
سوائے بے ثمری کچھ ثمر نہیں رکھتے
ہنر کو عیب سمجھتے ہیں اِس زمانے میں
ہزار شکر کہ ہم کچھ ہنر نہیں رکھتے

مسافران عدم کس طرف گئے یارب ؟
کہ وہ ہماری ، ہم اُن کی خبر ، نہیں ، رکھتے

عقدۂ سلک گہر ، اے دیدۂ تر ، کھول دے
ابر نیساں پر برس کے اپنے جوہر کھول دے
گر ہَوا ، بند نقاب روے سرور کھول دے
کور مادر زاد ، آنکھیں مثل اختر کھول دے
تیرگی ظلمات کی کیا تھی سیاہی اِس کی آنکھ
قبر ہے یہ قبر ، آنکھیں ، اے سکندر کھول دے
دست قدرت ہے کسی کا یہ کہ پھر باندھے اُسے ؟
جس گرہ کو ناخن تدبیر حیدر کھول دے

عدم کو قافلہ جانے لگا تو خواب آیا — تمام عمر تو بیداریاں رہیں افسوس
کھلی تب آنکھ کہ جب سر پر آفتاب آیا — سفید بال چمکنے لگے تو چونکے ہم

خود نمائی تلک ہے روشن دلوں کے سامنے
کس طرح ظاہر کرے باطن کا[۱] جوہر آئنہ

حشر تک اُن کی چمک میں نہ زوال آئے گا
دیکھ ، اے چاند ، مرے آنسوؤں کے تاروں کو

کدھر تلاش کریں تم کو ، اے عدم والو ،
کہاں گئے ؟ کہ کہیں نقش پا نہیں ملتا

ادنیٰ اعلیٰ سے بڑھ گئے ہیں ، — قطرے دریا سے بڑھ گئے ہیں ،
بے مغز ہوا سے بڑھ گئے ہیں — کم ظرف حباب ہیں یہ سر کش

خلش دل کی بے چین رکھتی ہے ، یارب ،
یہ کانٹا نکل جائے پہلو سے میرے

دیکھ عبرت سے ذرا گور غریباں کی طرف
استخواں قبر کے اندر ہیں ، تو پتھر باہر

---

[۱] ـــ نل (کے) ۔

سلامی جس کو سمجھتے ہیں سب کہ ماہ یہ ہے
نشان کفش رسول فلک پناہ یہ ہے
کیا ہے چرخ چہارم نے تاج سر جس کو
سر بلال کی اُتری ہوئی کلاہ یہ ہے
جہاں میں زیست ہے اک دم کی روشنی "مونس"
ہمیشہ اس کو سمجھ شمع صبح گاہ یہ ہے

گرچہ مانند کماں گوشہ نشیں ہے "مونس" | تیر آہوں کے نکل جاتے ہیں اکثر باہر

فیض خاموشی نے ذکر خوش بیانی کردیا | ہر سر مو کو زبانِ بے زبانی کردیا

آئی بالوں میں سفیدی ، تاکجا یہ غفلتیں ؟
"مونس" اب چونکو کہ آ پہنچا ہے سر پر آفتاب

رباعیات

مولا یہ ظہور سب ہے دم کا تیرے | خورشید نشان ہے قدم کا تیرے
کہتے ہیں بہشتی جسے نہرِ کوثر | اِک قطرہ ہے دریائے کرم کا تیرے

ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو ؛ | کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
منظور اگر ہے زاد راہ عقبیٰ ، | سب چھوڑ کے دنیا سے اُٹھا لے دل کو

تیرِ غم شہ سینے میں پیوستہ ہے | ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس محفل میں | یہ بزم عزا خلد کا گلدستہ ہے

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے | آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد | مرقد یہ عجب گوشۂ تنہائی ہے

نفیس

میر خورشید علی ''نفیس'' میر انیس کے بڑے بیٹے نہایت منکسر مزاج، قابل اور خوش گو شاعر تھے - اردو میں اپنے والد میر انیس ہی سے اصلاح لیتے اور فارسی میں مفتی میر محمد عباس سے مشورۂ سخن کرتے تھے - اِن کے مراثی کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے - ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۱ع) میں وفات پائی [۱]

صفائی اور روانی میں میر انیس کا رنگ جھلکتا ہے، زبان نہایت صاف اور سلیس ہے - بیان میں شگفتگی اور تسلسل پایا جاتا ہے - قوافی بہت لاتے ہیں، میر انیس کی طرح اِن کے مرثیوں میں بھی بند والا شعر اکثر بہت بلند ہوتا ہے -

مراثی

تعلّی

اُس مے کا میں نوشندہ ہوں مستی نہیں جس میں
حاصل وہ بلندي ہے کہ پستي نہیں جس میں
آوارۂ صحرا ہوں گرستی [۲] نہیں جس میں
اُس ملک میں بستا ہوں کہ بستی نہیں جس میں
رنجش نہیں، کھٹکا نہیں، آزار نہیں ہے
اُس باغ کا بلبل ہوں جہاں خار نہیں ہے

۱—تاریخ ادب اردو ص ۳۳۲ ج ۱ - و تذکرۂ آب بقا - [۲]—نل (کلا ہستی) -

سرگشتۂ و شیدائے محبت ہوں ازل سے
آلودۂ رنج و غم و محنت ہوں ازل سے
باشندۂ ویرانۂ زحمت ہوں ازل سے
مستغرق دریائے مصیبت ہوں ازل سے
سب رو دیے [۱] جب میں نے دم سرد بھرا ہے
رگ رگ میں مری، خوں کے عوض درد بھرا ہے

وحشت دل عالم کو ہے ویرانے سے میرے
آرام زمیں کو نہیں گھبرانے سے میرے
راحت سے کوئی دل نہیں غم کھانے سے میرے
بلبل کا جگر چاک ہے چلانے سے میرے
وہ کون سے گل ہیں جو پریشاں نہیں ہوتے
غنچے بھی مجھے دیکھ کے خنداں نہیں ہوتے

رجز

رن سے اسد اللّٰہ کے پیارے نہیں ہٹتے
گردوں پہ جو ثابت ہیں ستارے نہیں ہٹتے
اشرار کو بے جان سے مارے نہیں ہٹتے
بڑھتے ہیں تو پھر پانو ہمارے نہیں ہٹتے
دے جن کو خدا اوج وہ جھکتے ہیں کسی سے ؟
بہتے ہوئے دریا کہیں رکتے ہیں کسی سے ؟

حضرت علی اکبر کا سراپا

بخشی ہے خدا نے اِنھیں توقیر محمد — گیسو ہیں کہ ہے زلف گرہ گیر محمد؟
چہرہ ہے کہ آئینۂ تصویر محمد — باتوں میں ہے رنگینیِ تقریر محمد
شوکت وہی [پوشش وہی] دستور[۲] وہی ہے
نقشہ وہی، انداز وہی، نور وہی ہے
گیسوے دل آویز ہیں یا سنبل جنت؟ — یہ روے دل افروز ہے یا صبح صباحت؟

---

[۱]—نل (روئے ہیں) ۔ [۲]—نل (پوشاک کا دستور) ۔

رخسار ہیں یا جلوۂ آئینۂ قدرت ؟ آنکھیں ہیں کہ سرچشمۂ اعجاز و کرامت [۱] ؟
طالب نہیں پانی کے ' حیا مُہر دہن ہے
یہ آنکھ میں پتلی نہیں گھونگھٹ میں دلہن ہے

آمادگی جنگ

بچوں نے آستینوں کو اُلٹا جلال میں کچھ کثرت سپاہ نہ لائے خیال میں
یوں نیمچے علم کیے جنگ و جدال میں دو بجلیاں چمک گئیں دشت قتال میں
آمادۂ نبرد جو دونوں جری ہوئے
شکلیں بنا بنا کے فرس بھی پری ہوئے
دو بجلیاں سی کوند گئیں رن میں دو طرف غل "الاماں" کا تھا صف دشمن میں دو طرف
سر لوٹتے تھے خاک پہ اُس بن میں دو طرف تھا طرفہ تفرقہ سر و گردن میں دو طرف
پیدل میں تھی نہ جان ' نہ دم تھا سوار میں
ساری صف آدھی ہوگئی پہلے ہی وار میں

تلوار

یہ تیغ وہ ہے سیل فنا کہتے ہیں جس کو
یہ برق وہ ہے قہر خدا کہتے ہیں جس کو
بازہ اِس کی وہ آفت ہے بلا کہتے ہیں جس کو
منہ اِس کا وہ منہ ہے کہ قضا کہتے ہیں جس کو
جاتی نہیں بے جاں لیے جب آتی ہے سر پر
ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کب آتی ہے سر پر

میدان جنگ

طنبور کا وہ شور ' وہ شیپور [۲] کا خروش قرنے کی وہ صدا کہ پھٹیں پردہ ہائے گوش
غوغائے زیر و بم سے لہو مارتا تھا جوش نے کی صفیر تھی کہ اُڑے طائروں کے ہوش
سارے درندے شور دہل سے دہل گئے
صحرا کے شیر چھوڑ کے جنگل نکل گئے
پیہم پکارتے تھے نقیبان زشت خو نام آوروں کو رہتی ہے عزت کی آرزو

[۱]—نل (اعجاز کرامت) -
[۲]—شیپور و شیپور ' بر وزن بے نور : نائے رومی ' برہان قاطع و فرہنگ اندراج -

جانیں لڑا دو آج ، جوانو ، کنار جو موتی کی آب ہے جیسے کھٹکے ہیں آبرو
کرلو اسیر یوں اِنہیں حلقے میں گھیر کے
جس گھات سے پکڑتے ہیں بچوں کو شیر کے

رہواروں کی تعریف

جس صف پہ جس پرے پہ یہ گھوڑے ڈپٹ کے آے
یوں آئے جیسے شیر گرسنہ جھپٹ کے آے
مثل تگرگ ریت پہ سر تن سے کٹ کے آے
گھوڑوں سے خاک پر تن بے سر اُلٹ کے آے
سب خاک میں ملے جو غرور اُن کے سر میں تھے
سینوں میں گردنیں تھیں، تو سینے کمر میں تھے

نور

میر وزیر [۱] "نور" میر بادشاہ لکھنوی کپتان فیروزپور کے بیٹے ، فتحپور میں دیوانی کے سررشتہ‌دار تھے - واجد علی شاہ کے زمانے میں امین ہوئے - اِن کے والد اُس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تھے - "نور" کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا ذوق تھا - شیخ امام بخش "ناسخ" نے "نور" تخلص تجویز کرکے اپنے شاگرد رشید مرزا محمد رضا "برق" کے سپرد کیا - اِن کا دیوان "ضیاے نور" کے نام سے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) میں چھپ چکا ھے -

تغزل میں "ناسخ" کا رنگ ھے ، رعایت لفظی کا بڑا خیال رکھتے ھیں، اِس لیے غزل کی خصوصیت مفقود ھے -

غزلیات

اے بتو ، ھجر کی تکلیف کو کیا پوچھتے ہو ؟
رنج وہ دل نے اُٹھایا کہ خدا یاد آیا

نہ داد ملتی ، تو پھر داد خواہ کیا کرتا ؟ خدا کے سامنے عذر گناہ کیا کرتا ؟
مواخذہ نہ بتوں سے تھا حشر میں منظور ، خدا کو ظلم و ستم کا گواہ کیا کرتا ؟

کسی میں نام کو بوے وفا نہیں باقی : ہر ایک گل چمنِ روزگار میں دیکھا
سفید بال ہوئے موسم جوانی میں خزاں کا رنگ شروع بہار میں دیکھا

دل میرا محو یاد الٰہی تھا اے بتو ، تم آئے سامنے تو مرا دھیان بٹ گیا

کہنے دو ، اگر خلق برا کہتی ھے مجھ کو ؛
وہ کون ھے جو عشق میں رسوا نہیں ہوتا ؟

---

[۱]—سخن شعرا میں میر وزیر علی نام لکھا ھے -

شکلِ گل، زر ہمیں خدا دے گا : جو بگاڑے گا وہ بنا دے گا

پھرتے ہیں آسیا کی طرح فکر رزق میں :
اِس کی نہیں خبر کہ ملے گا کہاں سے کیا ؟

کیوں اُڑا کر، اے صبا، مٹی مری برباد کی ؟
خاک پائے یار تھا، گرد بیاباں، میں نہ تھا ؟
قطع، اے دل، کب ہوا جوش جنوں کا سلسلہ ؟
کب اسیر حلقۂ گیسوے پیچاں، میں نہ تھا ؟

بارِ فراق یار بھی بار عظیم ہے، اے آسماں، یہ بوجھ اُٹھے گا زمیں سے کب؟

خالی نہیں کنائے سے صاحب کی کوئی بات :
ثابت ہوا ہمیں کہ نہایت ہیں دور آپ

بنے ہیں خون کے دھبّوں سے طرفہ گل بوٹے :
ترے شہید کے زخموں سے ہے کفن کی بہار

لائی ہے "نور" مجھکو خرابات دہر میں ملک عدم سے عالم ایجاد کی ہوس

پھلتا ہے جستجو میں تری کوہ طور پر اللّٰہ رے، تیرے طالب دیدار کی تلاش!

ہے دل کو چشم ساقیِ گلفام سے غرض :
شیشے سے مدعا ہے نہ کچھ جام سے غرض

نغمہ سنجی سے تری، دل کو مزا ملتا ہے
پھر اُسی لطف سے کر، باغ میں نالے، بلبل

اے بتو، ہم نے تم کو پہچانا بخدا، قدرت خدا ہو تم

یہی دو بول کہہ کے ہارے ہیں: تم ہمارے ہو، ہم تمہارے ہیں

ظاہر ہے بے ثباتیِ گل باغ دہر میں ہم کس امید پر ہوس رنگ و بو کریں؟

ہے دل پروانہ سوزاں بزم میں شمع یہ روشن سر محفل نہیں

یار کا حال مساوی ہے مری جانب سے :
نہ برا کہتے ہیں ظاہر میں ' نہ اچھا دل میں

نہ صرصر ' نہ باد صبا چاہتا ہوں ؛
جنوں خیز ہو ' وہ ہوا چاہتا ہوں
مجھے دوست دشمن برابر ہیں دونوں:
بروں کا بھی اے دل ' بھلا چاہتا ہوں

چڑھا ہے نشۂ زر ' رات دن بیہوش رہتا ہے :
خبر اپنی نہیں منعم کو ' غافل اس کو کہتے ہیں

جب سے اُس گل نے گرایا آنکھ سے '
سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں
اب کنارے پر جہاز عمر ہے ؛
ایک دن دریاے غم سے پار ہوں
لشکرِ دیوانگاں ہمراہ ہے '
میں جنوں کا قافلہ سالار ہوں

دورِ فلک کے ہاتھ سے جاؤں کہاں نکل کے میں ؟
کون سی وہ زمین ہے جس پہ یہ آسماں نہیں ؟

شکوۂ جور بتاں عشق میں لا حاصل ہے ؛
رنج اُٹھانے کو بنایا تھا خدا نے ہم کو
سائے کی طرح رہے ساتھ پریزادوں کے :
آپ پامال کیا اپنی وفا نے ہم کو

اے دل ' فراق یار میں لے چل وہاں مجھے '
جس جا یہ آسمان نہ ہو ' یہ زمین نہ ہو

دل بنایا جس نے اُس کی شان دیکھا چاہیے
کیا مکاں کو دیکھتا ہے ؟ سوے صاحب خانہ دیکھ

کیا نشاں دوں کہ رشک آتا ہے ؟
میں چلوں آپ نامہ بر کے ساتھ

آگے مرے دھری رہیں شب بھر گلابیاں ؛
دیکھا کیا میں ساقیِ پیماں شکن کی راہ

اُنہیں تو آئنہ مد نظر ہے '
یہاں دو دو پہر زانو پہ سر ہے

تمام رات مجھے بیقرار رکھتا ہے :
مزے عجیب ترا انتظار رکھتا ہے

برق نگاہ یار بھی کیا [۱] کام کرگئی
عمر دو روزہ ایک نظر میں گذر گئی

وہ آچکیں ' تو روح کرے جسم سے سفر
یارب ' ہلاک ہوں میں مسیحا کے سامنے

---

[۱]— نل - (مرا)

پاس جانا کہاں نصیب ہمیں ؟ دور سے دیکھنا غنیمت ہے
رات دن اُس کا نام جپتے ہیں : عاشقوں کی یہی عبادت ہے
تیرے قدموں پہ دم نکل جائے : بس یہی دل میں ایک حسرت ہے

یہ مست تھے کہ موثر نہ ہم کو پند ہوئی
کھلی حقیقت دنیا جب آنکھ بند ہوئی

ہم جو تھے ملک عدم میں تو بڑی راحت تھی
رنج اُٹھانے کے لیے جانب دنیا آئے

نہ دیا ساتھ مصیبت میں کسی نے اپنا خوب ہم الفت یاران وطن دیکھ چکے

زاہدا ، عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل :
عشق کامل جو بتوں سے ہو ، خدا ملتا ہے

یارب ، مدام اوج پہ حسن بتاں رہے مثل زمیں قدم کے تلے آسماں رہے

تپ فراق کی سوزش کو پوچھتے کیا ہو ؟
جگر میں آگ لگی ہے ، بجھا نہیں سکتے

حال قسمت کا جواب خط جاناں سے کھلے
وہ جو نامہ مجھے بھیجے خط تقدیر بنے

ہم سا عالم میں نہ ہوگا کوئی گم کردہ حواس
یہ نہیں یاد کہ ہم دل کو کہاں بھول گئے

شب درد و غم یوں بسر ہو گئی : تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

منیر

اسمعیل حسین "منیر" سید احمد حسین "شاد" کے بیٹے شکوہ‌آباد ضلع مین‌پوری کے رہنے والے تھے - ۱۲۲۹ھ[۱] میں پیدا ہوئے - اپنی خود نوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ بچپن سے اُن کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی' پہلے "ناسخ" سے اصلاح لی' پھر میر علی اوسط "رشک" کے شاگرد ہوگئے' عرصے تک لکھنؤ میں رہے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی - لکھنؤ' مرشدآباد' کان‌پور کے مشاعروں میں اکثر شرکت کی[۲] اِن کے تین دیوان کلیات کی صورت میں چھپے ہیں' نثر میں کئی رسالے' اعلان‌الحق' سراج‌المنیر' تنبیہ‌النشأتین بفضائل‌الثقلین' 'امان‌المومنین عن مکائدالشیاطین' بھی اِن کی تصنیف ہیں - غدر کے بعد ایک قتل کی سازش میں اِن پر مقدمہ قائم ہوا اور کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی - ۱۸۶۰ع میں قید سے رہائی پائی - آخر عمر میں نواب کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام کیا اور یہیں ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۱ع) میں وفات پائی -

نہایت ذہین اور پر گو شاعر تھے' ہر صنف میں اِن کے اشعار کثرت سے موجود ہیں - قصیدے کی سی پرگوئی غزلوں میں بھی ہے - ایک ہی طرح میں تین‌تین چارچار غزلیں ۳۲ اور چالیس اشعار سے زیادہ کی موجود ہیں - یہی وجہ ہے کہ غزل میں قصیدے کا زور ہے لیکن غزل کی خصوصیات' سوز و گداز اور آمد کا لطف موجود نہیں - قصائد میں بھی اگرچہ سب کچھ ہے لیکن تسلسل مضامین اور ترتیب اکثر جگہ مفقود ہے -

---

[۱]—دیوان اوّل (کلیات منیر) کے دیباچے میں جس کا تاریخی نام منتخب‌العالم (۱۲۶۴ھ) ہے' لکھا ہے کہ ۳۵ برس کی عمر میں منیر نے یہ دیوان تصنیف کیا تھا - اِس حساب سے سال ولادت ۱۲۶۴—۳۵=۱۲۲۹ھ ہوتا ہے -

[۲]—تاریخ ادب اُردو ص ۲۸۱' ج ۱ - و مقدمہ دیوان اول (کلیات منیر) شکوہ‌آبادی -

مناجات

یہی اُمید ہے فضل عمیم حق تعالیٰ سے
کہ جب تک لطف گردش گنبد گردوں کو حاصل ہو
نمایاں زیر گردوں رات دن ہو جس زمانے تک
قمر خورشید سے تنویر کا جب تک کہ سائل ہو
پسند خاطر مردم مرا دیوان ہو یارب،
جو دیکھے اہل علم و فضل میں وہ اِس کا مائل ہو

یہ عرض ہے تری درگاہ میں خداوندا ! کہ تیرہ دل ہوں، نہایت گناہگار ہوں میں
مکان ہے دل کافر سے تیرہ تر میرا سیاہ بخت ہوں، یارب، سیاہکار ہوں میں
بلند ہے عرق انفعال کا طوفاں وفور جرم سے اِس درجہ شرمسار ہوں میں
یہ التجا ہے کہ بہر نبی و آلِ نبی معاف کر مجھے، تیرا قصور وار ہوں میں

غزلیات

اللہ کو ہے علم ہمارے مآل کا دیوانوں کو نہیں خبرِ دوزخ و بہشت

اچھی نہیں ہر لحظہ "ماہر" اشک فشانی
ڈرتا ہوں نہ کھل جائے کہیں راز تمہارا

بھٹکے پھرے دو عملۂ دیر و حرم میں ہم
اِس سمت کفر، اُس طرف اسلام لے گیا
میں جستجوے کفر میں پہنچا خدا کے پاس
کعبے تک اِن بتوں کا مجھے نام لے گیا

پی غیر نے شراب، مجھے بیخودی ہوئی نشہ چڑھا کسی کو، میں بیہوش ہوگیا
طالع جگائے آپ نے ارباب عشق کے یوسف کا حسن، خواب فراموش ہوگیا

بسمل کے بھی تڑپنے کو ملتی نہیں جگہ
کیا عرصۂ حیات جہاں، تنگ ہو گیا

آنکھوں میں پھرتی ہے اُس غیرت لیلیٰ کی شبیہ
پردۂ چشم کو میں پردۂ محمل سمجھا

خلعت مجھے وحشت نے دیا وسعت دل کا
جامے میں مرے دامن صحرا نظر آیا
مل مل گئے ہیں خاک میں لاکھوں دل روشن
ہر ذرہ مجھے عرش کا تارا نظر آیا

جان کر اُس بت کا گھر کعبے کو سجدہ کرلیا
اے برہمن ، مجھ کو بیت اللّٰہ نے دھوکا دیا

غم سہتے ہیں ، پر غمزۂ بیجا نہیں اُٹھتا
مرتے ہیں مگر ناز مسیحا نہیں اُٹھتا

سینے سے عیاں ہے دل دیوانہ ہمارا دیواروں سے چھپتا نہیں ویرانہ ہمارا
جانے کو تو جاؤگے زرا اور ٹھہر جاؤ ہشیار تو ہو لے دل دیوانہ ہمارا
دل دیکھ لے اے ہمت مردانہ ، ہمارا منہ سے نکل آیا ہے جگر ، اُف نہیں کرتے

خانہ خراب اور کرے گا قصور کیا دنیائے دوں میں دل مجھے لایا بہشت سے

تمہارے گھر سے پس مرگ کس کے گھر جاتا ؟
بتاؤ ، آپ سے جاتا تو میں کدھر جاتا ؟
اجل کے بھیس میں میری تلاش کرلیتے
وہ آپ ڈھونڈ کے لے آتی میں جدھر جاتا

دل ترا ، جان تری ، عاشق شیدا تیرا
سب یہ تیرا ہے تو پھر کس لیے "میرا ، تیرا"؟

آئے اگر مدینے سے جھونکا نسیم کا داغ گناہ ہوں گل بستان مغفرت

آج پر کیا ہے ، ہمیشہ تھی لطافت پردہ دار
کب ترا جسم ، اے پری ، پیراہن جاں میں نہ تھا

دنیا و دیں سے جس نے نکالا کھڑے کھڑے
یادش بخیر وہ دل خانہ خراب تھا
بیگانہ نیک و بد سے رہا ہر لباس میں
کانٹا بہار میں ، تو خزاں میں گلاب تھا

دنیا و دیں کو چھوڑ کے کس سمت کھو گیا
ڈھونڈو یہیں کہیں دل خانہ خراب تھا

اک روز بھی نہ کوچے میں اُس کے گذر ہوا   سو مرتبہ زمانہ اِدھر کا اُدھر ہوا

دشت جنوں سے نقش کفِ پا اُلجھ پڑا   شکر خدا کہ پانو مرا درمیاں نہ تھا
بجلی تھی مہربان، کبھی آتشِ بہار   صد شکر، بے چراغ مرا آشیاں نہ تھا

عمر رفتہ کے تفحّص کو گیا تھا لیکن   حشر تک طالع برگشتہ نہ پھر کر آیا

اُن کے جاتے ہی نہ ٹھہرے گی بہار بزم عیش
ساتھ اپنے ایک گل سارا چمن لے جائے گا

گواہ تیر نگہ بھی، اجل بھی شاہد ہے   تمھارے سامنے میں جان بیچ کر آیا

دنیا سے ہے باہر دل دیوانہ کسی کا   بستی میں سماتا نہیں ویرانہ کسی کا
ساقی کے قدم لینے سے کیا ہاتھ لگے گا   دل تھام لے اے لغزش مستانہ، کسی کا
گھر پھونک دے اے برق جہاں سوز، خدارا،   جلنے ہی سے روشن ہو سیہ خانہ کسی کا
نیند آتی ہے ہر ایک کو آغوش لحد میں   شاید کہ اجل کہتی ہے افسانہ کسی کا
جاگی ہوئی تقدیر نہ سو جائے شب وصل   للّٰہ نہ کہوائیے افسانہ کسی کا
ساقی مے دیدار دیے جائیو لیکن   اتنی کہ نہ لبریز ہو پیمانہ کسی کا

اپنوں کے توڑ جوڑ سے پھندے میں پھنس گیا
میرے گلے میں طوق ہے دستِ شکستہ کا

وصل نے لوٹ لیا دونوں کو تنہا پا کر
آج میرا ہے گریباں نہ دامن اُن کا
مجھ کو تو اپنی شہادت کا نہ ہوگا دعویٰ
ہاتھ پہچان نہ لیں خنجر و گردن اُن کا

دل میں ہمارے وحشت مجنوں نے لی پناہ
مدت کے بعد خانہ خرابی کو گھر ملا
نقصان کا عوض ہو زمانے میں کس طرح
جو دن گذر گیا نہ کبھی عمر بھر ملا

بے رنج اُٹھائے ہو نہ سکا اقربا سے میل
میرے گلے سے ہاتھ مرا ٹوٹ کر ملا

پایا مزا اخیر جوانی میں وصل کا
قسمت سے ساری رات میں پچھلا پہر ملا

ممکن نہیں ہے وصل بتاں بے شکست دل
دریا سے جو حباب ملا ٹوٹ کر ملا

لے چلے نفس دنی، بار گنہ سوے عدم
اسی مزدور کے سر پر رہے اسباب اپنا

نیند کے آنے کی لایا ہے خبر پیک اجل
بند دروازہ کر اے دیدۂ بےخواب، اپنا

دُهرا کے تیری باتوں کو لیتے ہیں ہم مزا
قائم مقام بوسۂ لب کا، سخن ہوا

اقبال مند تیغ ادا نے کیے پسند
میں کم نصیب ننگ کمند و رسن ہوا

سودائے دل نے عالم وحدت میں کی جگہ
ہو کا مکان، جوش جنوں کا وطن ہوا

عیسیٰ سے بھی ہے ربط بت خود پسند کا
بس اب خدا ہے اپنے دل دردمند کا

اپنے سوا نظر نہیں آتا کوئی مجھے
مارا ہوا ہوں ایک بت خود پسند کا

دو ایک بوندیں خون کی کس کام آئیں گی
کیا لیں گے دل دُکھا کے کسی درد مند کا

ٹھوکر لگاتے آتے ہیں اٹھکھیلیوں کے ساتھ
اللّٰہ حافظ اپنے دل درد مند کا

جاتی ہے روز خاک مری آسمان تک
ملتا نہیں دماغ تمھارے سمند کا

اپنے رتبے سے جو منظور ہے بڑھ کر ہونا
اے قیامت، قدم یار کی ٹھوکر ہونا

منعمو، خاک نشینوں سے تعلّی کب تک؟
ایک دن ارض و سما کو ہے برابر ہونا

تمھاری گلی سے سوے کعبہ جاؤں
خدا سے ڈرو مجھ سے ایسا نہ ہوگا

رہے یاد اے آفتاب قیامت،
جلا کر مجھے تو بھی ٹھنڈا نہ ہوگا

اُٹھے گا غرور اِس قدر کس سے؟ توبہ ، خدا آپ ہونگے ، تو بندا نہ ہوگا

شاید نگہِ یار ہی اِس کوچے میں ٹھہرے
اب تک رگ جاں میں کوئی نشتر تو نہ ٹھہرا

بتوں کے قد راست پر غش ہے ناصح یہ بیچارہ سیدھا ، مسلمان نکلا

خاک ہوجاؤں جو راہ کعبۂ مقصود میں میری مٹی سے بنے اللّٰہ کے گھر کا جواب

دکھا کیے ہو کوچۂ بیگانگی میں پانو لائی تمہیں لگا کے محبت کی راہ کہا

جو ہے بیگانہ سب زمانے سے اُس سے کیا پوچھوں کب ملیں گے آپ

کیا کہوں پہلی ملاقات کی بات رات کی رات گئی، بات کی بات

جز مرگ کچھ نہیں مرض عشق کا علاج
بیمار پڑ کے بھی نہ مریں ہم تو کیا علاج
اِس شان ، اِس شکوہ نے بیتاب کردیا
تم ایسے بن کے آئے کہ بگڑا مرا علاج

ساز عشرت سے نکلتی ہے نوائے صبح عید
جامِ قلقل پڑھتے ہیں شیشے دعائے صبح عید

دل میں طمع زر ہے جدا ، آہ جدا بند
اِس شیشے میں ہے سارے زمانے کی ہوا بند

حال پوشیدہ کھلا سامان عبرت دیکھ کر
پڑھ لیا قسمت کا لکھا لوح تربت دیکھ کر
اِس قدر بیخود ہوا آثار وحشت دیکھ کر
آئنے سے نام پوچھا اپنی صورت دیکھ کر
جام کوثر ، دست ساقی میں نظر آیا مجھے
اُٹھ گیا آنکھوں کا پردہ ابر رحمت دیکھ کر
منہ ہمارا جلوۂ دیدار کے لائق کہاں ؟
اپنی صورت دیکھتے ہیں تیری صورت دیکھ کر

آنسو پونچھے یاد آیا جب جوانی کا مزا
آنکھیں ملتے رہ گئے ہم خواب راحت دیکھ کر
اب نہیں نازک مزاجی سے توجہ کا دماغ
اے اجل ، آنا کبھی ہنگام فرصت دیکھ کر
تیرے بندے سر جھکاتے ہیں بتوں کے سامنے
سجدے کرتا ہوں الٰہی تیری قدرت دیکھ کر

ہوگی شکست دل جو ترے دست لطف سے
یہ شیشہ صاف توٹ کے دے گا صدائے عشق

میکدے میں جلوہ گر داغ دل روشن ہوا — عرش کا تارا بنا خاموش مینا میں چراغ

خاموش جی جلائیے آنسو بہائیے — سن تو زبان شمع سے یہ ماجرائے عشق

تقریریں مختلف ہیں ، مگر بولتا ہے ایک
باجے ہزاروں بجتے ہیں ، لیکن صدا ہے ایک

اب تو روٹھے ہوئے جاتے ہو مگر یاد رہے
خواب ہوجائیں گے ہم ، تم کو خیال آنے تک

جی بھر کے گلے خنجر ابرو کو لگاتے — یارب ، ہمہ تن کس لیے گردن نہ ہوئے ہم

دیکھوگے تم کبھی تو محبت کی آنکھ سے — اُمید وار تم سے وفا ہے وفا سے ہم
اکثر وہ دیکھتے ہیں تماشائے بیخودی — اپنا مزاج پوچھیں گے اُن کی نظر سے ہم

منزل وحدت گو کہ کڑی ہے پر یہ مصیبت اُس سے بڑی ہے
بیکسی اپنے پیچھے پڑی ہے ہو کے اکیلے جائیں کدھر ہم

کعبے سے مجھ کو لائے سواد کنشت میں — اِصلاح دی بتوں نے خط سر نوشت میں

اور مجھ سا جان دینے کا تمنائی نہیں
اُس کا شیدائی ہوں جس کا کوئی شیدائی نہیں
یا کرو اپنا کسی کو یا کسی کے ہو رہو
چار دن کی زندگی میں لطف تنہائی نہیں

سر کو ٹکرا کر مٹایا اپنی قسمت کا لکھا
دیر میں، کعبے میں اب فکر جبیں سائی نہیں

منصور کے مانند سرِ دار بہت ہیں — حق ایک کا ہے کہنے کو حقدار بہت ہیں

بیعت خلاف عقل گوارا نہیں مجھے — روز ازل سے پیرِ خرد کا مرید ہوں

جان پڑجائے بجاؤ ایک چٹکی تم اگر — طائر رنگ حنا بولے تمہارے ہاتھ میں

کھنچ سکے تصویر، بیتابی میں کیا — ایک صورت پر رہا جاتا نہیں

پہنچا جو تیرے کوچے میں خود رفتہ ہوگیا
جاتا رہا میں آپ سے راہ نجات میں

اے بت، یہ ہے نماز، کہ ہے گھات قتل کی؟
نیّت ادا کی ہے، کہ اشارے قضا کے ہیں؟

اے بت، ہمیں ہیں عاشق یک رنگ دہر میں
سب برہمن حضور کے، بندے خدا کے ہیں

پجواتے ہیں حضور کے ظلموں کی صورتیں
ہم بت تراش آپ کے سنگ جفا کے ہیں

لالۂ بےداغ اے بادِ صبا، ملتا نہیں — باغ عالم میں دل بےمدعا ملتا نہیں

مال جہاں سے قبر کی مٹی ہی پائیگا — ہے ایک مشت خاک نصیب بخیل میں
لوٹیں بہار آتش رخسار، بلبلیں — صیاد کا گذر نہیں باغ خلیل میں

بعد مردن لحد میں گڑتے ہیں — گھر تو بستا ہے ہم اُجڑتے ہیں
ساتھ دے کون راہِ اُلفت میں — پانووں سے نقش پا بچھڑتے ہیں

چراغ لے کے جسے ڈھونڈتے ہیں پروانے
ہمارے دل میں ہے وہ شمع، انجمن میں نہیں

راہ میں صورت نقش کف پا رہتا ہوں — ہر گھڑی بندے بگڑنے کو پڑا رہتا ہوں

بہک کر جلوۂ مستانہ آیا دل کے چھالے میں
شراب عیش دی ساقی نے پر ٹوٹے پیالے میں

تم نے گمنام و حزیں تو مجھے لکھّا ورنہ نام کو بھی خط تقدیر میں القاب نہیں

نظر دریا دلوں کو کب ہے بازاری حسینوں پر
انہیں قطرہ سمجھ، چکنے گھڑوں پر جو پھسلتے ہیں
ہجوم نزع میں روح رواں سے جسم کہتا ہے
زرا اے سانس، دم لے لے کہ ہم بھی ساتھ چلتے ہیں

یہ نہیں ممکن وہ غیروں پر خفا ہو، میں نہ ہوں
جس جگہ میرا مقدّر لڑ رہا ہو میں نہ ہوں

تیری ہوائے یار دل چاک چاک میں ہم نے قفس میں بند کیا ہے نسیم کو

خنجر ناز سے جب چھیڑتے ہو تم مجھ کو دہن زخم سکھاتے ہیں تبسّم مجھ کو
کوئی حیلہ تو تعارف کا خوشی سے نکلے کاش تقدیر ہی پر آئے تبسم مجھ کو

سب کہتے ہیں حور ہو، پری ہو کچھ ہم بھی کہیں، جو آدمی ہو
غصے میں رہوگے آگ کب تک لو ہوش میں آؤ، آدمی ہو

رونا لازم نہیں دم نزع میری رخصت ہنسی خوشی ہو

بخشش کی آبرو نہیں رہتی نمود سے
یوں چھپ کے دو کہ دست گدا کو خبر نہ ہو
چھپ کر لگا لوں کعبۂ مقصود کا پتا
یوں ڈھونڈ لوں کہ قبلہ نما کو خبر نہ ہو

تیوری چڑھا کے پوچھتے ہو، عرض کیا کروں
سوجھے گی دل کی بات کرم کی نظر تو ہو

حیا آئینے کو بھی روبرو آنے نہیں دیتی
ترستی ہی رہیں گی تیری آنکھیں تیری صورت کو

سنتا ہوں کہ پہنچی کوئی فریاد اثر تک
اے یاس، خبر لے کہیں میری نہ دعا ہو

روز فراق یار کی کس طرح شام ہو — عمر ابد ملے تو یہ دن بھر تمام ہو

شب فراق بسر یارب ! آبرو سے ہو — نماز صبح قیامت اسی وضو سے ہو

مدت سے حیرتی ہیں زمین و فلک ترے ۔ — آئینۂ در رویہ میں اپنا جمال دیکھ

حج میں جب یاد آئیں وہ آنکھیں — طاق حرم پر رکھ دی توبہ
پھر سے پی کر ماتھا کوٹا — پھوٹی قسمت ٹوٹی توبہ

نہ بھولوں تاکہ راحت میں بھی آزار محبت کو
مرے ہر بند میں غم نے گرہ دے دی ہے مشکل کی

حیرت سے تک رہا ہے جو منہ ایک ایک کا ،
آئینے کو تلاش ہے کس کے نظیر کی ؟

دیکھا ہے عاشقوں نے برہمن کی آنکھ سے
ہر بت خدا ہے چاہنے والوں کے سامنے

دل میں عکس چہرۂ جانانہ ہے — آئنے کا آئنے میں خانہ ہے
کس طرف کرتے ہو سجدے زاہدو — کعبہ ایک اجڑا ہوا بت خانہ ہے
اختلاط اپنے عناصر میں نہیں — جو ہے میرے جسم میں بیگانہ ہے
میکدے کا کام دل سے لیجیے — خم کا خم پیمانے کا پیمانہ ہے

دنیا میں بے ثباتیِ عالم کو دیکھ لے — جام جہاں نما سے زیادہ حباب ہے

جاتی ہے مفت دولت بیدار ہاتھ سے — للّٰہ اب تو جاگیے تھوڑی سی رات ہے

دل ہی گیا تو کون بتوں کا کرے خیال — کعبے کے ساتھ سنگ پرستی چلی گئی

انگلی اٹھا کے کہتی ہے منصور سے یہ دار
اس راستے سے شہر وصال ایک میل ہے

بہ رنگ شمع خموشی سے باتیں کرتا ہوں — زبان قطع ہوئی پر ہے گفتگو باقی

زردیِ رنگ عشق نہیں اور رنگ میں
میرے ہی رنگ سے مری تصویر کھینچیے

غیروں کے پانو پڑ کے نہ آئیں گے تیرے گھر — یوں ایڑیاں رگڑ کے بھی مرنا قبول ہے

عدم کو لے ہی گیا بیخودی کا پاس مجھے — تلاش کرتے نہ پائے مرے حواس مجھے

ہوائے کوچۂ قاتل نہ نکلے دل سے کہیں — کہاں ہوا در چاک جگر نہیں رکھتے

ہے جلوہ گرِ دیر و حرم ذات تمہاری — ٹھہری ہے دُھلے میں ملاقات تمہاری

دور سے بھی کبھی ملنے کے اشارے نہ ہوئے
ہم کہیں کے نہ رہے تم جو ہمارے نہ ہوئے

جان آگئی پتلیوں میں دیکھو — آنکھوں میں روح اے صنم ہے

قتل کرکے آئے ہیں وہ عذر خواہی کے لئے
دل مرا ہے ساتھ ساتھ اُن کی گواہی کے لئے

میں روتا ہوں آہ رسا بند ہے — برستا ہے پانی ہوا بند ہے
کہاں قافلے تک رسائی مجھے — میں ہوں لنگ شور درا بند ہے

سواری تری آ کے کیا پھر گئی — اُدھر کو اِدھر کی ہوا پھر گئی

بتوں کے گھر کی طرف کعبے کے سفر سے پھرے
ہزار شکر کہ جیتے خدا کے گھر سے پھرے

ملتا نہیں سراغ دل خاکسار کا — مدت سے خاک چھانتے ہیں تیری راہ کی

آہ بھی دل میں نسیم سحری ہوتی ہے
جو بلا آتی ہے ' اِس گھر میں بری ہوتی ہے

صبح طالع ہوئی سو بھی اُٹھے سونے والے
آفریں اے مرے بیدار نہ ہونے والے
اہل مسند کو گذر جاتی ہے کھٹکے ہی میں رات
مست ہیں سایۂ دیوار کے سونے والے
بیچ سے پردۂ ہستی بھی اُٹھایا میں نے
اب تو منہ کھول دے او سامنے ہونے والے

اچھا نہیں جو راز تپ عشق فاش ہو — اے نبض' دل کی بات نہ کہنا طبیب سے

تیغ نگاہ آپ کی ہر طرح قہر ہے — بےکھائے جان جاتی ہے کھائیں تو زہر ہے

جلن جس کی دل سے جگر تک نہ پہنچے — الٰہی وہ نالہ اثر تک نہ پہنچے
نہیں علم کیا کہتے ہیں لوگ ہم کو — وہ ہم ہیں کہ اپنی خبر تک نہ پہنچے

یارب کبھی تو زخم محبت گذر کرے
پہلو میں راہ' سینے میں جا' دل میں گھر کرے

ڈر کر نہ جوش خون شہیداں سے بھاگیے — پہلے قدم اُٹھانے سے دامن اُٹھائیے

کیا ہاتھ مرے پہنچیں گے داماں بتاں تک — اپنے ہی گریبان سے فرصت نہیں ملتی

ترچھی نظر کے حال سے واقف نہیں کوئی
کس پر چھری چلی ہے' مرے دل سے پوچھیے
میرے نصیب' پانو کی آہٹ سے جاگ اُٹھے
سینے میں کون آ کے چھپا دل سے پوچھیے
راز و نیاز عشق سے آگاہ میں نہیں
مجھ سے نہ پوچھیے' یہ مرے دل سے پوچھیے

سب میکشوں کے دیدہ و دل کون لے گیا — شیشے کہاں ہیں ہائے وہ پیمانے کیا ہوئے

مقدور جو ہوتا تو بڑھاپے سے نہ جھکتے — گرتی ہوئی دیوار کو ہم تھام نہ لیتے؟

جو پوچھتا ہے عشق میں کیوں رنگ زرد ہے — ہاتھوں سے دل کو تھام کے کہتے ہیں درد ہے
شکر خدا کہ رنج سے آباد ہے یہ گھر — مدت سے دل نہیں ہے' تو پہلو میں درد ہے
اِک رشک آفتاب نے برباد کر دیا — صبح قیامت اپنے بگولے کی گرد ہے

میخانے میں شیشہ کوئی ٹوٹا ہے مقرر — بیساختہ کیوں دل میں مرے درد ہوا ہے

مفت بد نام ہے میخانۂ عالم میں شراب
کوئی پوچھے تو' نظر ہوش رُبا کس کی ہے ؟
تجھ کو دعوائے خدائی ہے کہ اے بت مجھ کو
شرع میں حد نہیں جس کی وہ سزا کس کی ہے ؟

یہی انصاف ہے اے فصل بہاری ' تیرا :
جال میں مرغ چمن ' باغ میں صیاد رہے ؟
بادشاہوں میں ہیں محسوب ' نہ درویشوں میں
یا الٰہی تری دنیا ' ہمیں کیا یاد رہے
کیا بتائیں تجھے اے شوخ حقیقت اپنی
نامراد آئے ترے کوچے میں ' نا شاد رہے
خوف پیری سے نظر بھر کے نہ دیکھا تجھ کو
اے جوانی تری صورت ہمیں کیا یاد رہے
چاہیے مجھ کو ترا ناز اُٹھانے والا
جان جاتی ہے تو جائے دل نا شاد رہے

ازل سے جو زخمی ہے وہ دل یہی ہے — خدا ساز دنیا میں بسمل یہی ہے
نصیب ایسے نالے کہاں بلبلوں کو ؟ — میں پہچانتا ہوں ' مرا دل یہی ہے

نہ تو کچھ فکر نہ تدبیر لیے پھرتی ہے — جابجا گردش تقدیر لیے پھرتی ہے
وائے قسمت نہیں ملتا کوئی پڑھنے والا — زال دنیا خط تقدیر لیے پھرتی ہے

زہر قاتل دونوں ہیں بیمار ہجراں کے لیے
مہربانی آپ کی ' نا مہربانی آپ کی
پائے نازک پر جو سر رکھا تو کھائیں ٹھوکریں
یہ ہماری بندگی ' وہ قدردانی آپ کی

سب ہیں مجاز دوست ' حقیقت پسند ' میں
بندہ اِدھر ' تمام زمانا اُدھر رہے

عنایت ہوگئی جاگیر میں' اقلیم استغنا — خدائی مانگ کر لایا میں درگاہِ الٰہی سے

اُڑی خاک اُس کے رہگذر کی — یارب یہ ہوا چلی کدھر کی

جھٹکے دیے یاس نے دم نزع — ٹوٹی اُمید عمر بھر کی

مرے تن میں جان بن کر نہ رہوگے تم ہمیشہ
کہو عہد زندگی کا کسے اعتبار آئے ؟

رکھو دل حیراں کو اگر سامنے اپنے آئینہ تمھیں منہ نہ دکھائے مرے آگے

حسن تیرا ہر آنکھ میں ہے نہاں لاکھوں نقشے ہیں ایک صورت کے
فکر روزی میں پھوڑتے ہیں سر ٹکرے کھاتے ہیں پھوٹی قسمت کے

بال بکھرائے ہوئے آتے ہو کیوں مقتل میں
اٹھ کے لے لیں نہ بلائیں کہیں مرنے والے

آنکھ پھرتے ہی تری، مجھ سے خدائی پھر گئی
کیا مری برگشتہ بختی کی دہائی پھر گئی

نہ کھینچو جگر سے کٹاری ابھی مزا لیتی ہے بےقراری ابھی
وہی آزمائش ہے اُن کی ملحوظ وہی میری بےاعتباری ابھی

جاتا ہے لطف کیف جوانی دماغ سے پہلے پھل یہ پھول بچھڑتا ہے باغ سے

بیکسی کا تو کہیں نام مٹے کوئی تو آئے، قیامت ہی سہی
کیا بنا لیں گے بگڑ کر مجھ سے پھرے تیور، مری قسمت ہی سہی

مخمس

غزل رشک

توحید میں ارشاد مکرر ہے خدا کا مشرک جو ہے دشمن وہ مقرر ہے خدا کا
دیدار کب احول کو میسر ہے خدا کا جو دیدۂ یک بیں ہے وہ منظر ہے خدا کا
جس دل میں نہیں شرک وہی گھر ہے خدا کا

غزل نواب نصیرالدولہ

ہے میسر مجھے نظارۂ باغ اِس تجلی سے عرش پر ہے دماغ
نہیں راتوں کو احتیاج چراغ سینہ خاور ہے آفتاب ہے داغ
صبح محشر مرا گریباں ہے

قصائد

نعت سیدالمرسلین (مناظرۂ ہستی و مرگ)

مہیب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ
زبان ہر سر مو پر تھی الامان کی پکار

مکان گور کہن، فرش خاک، بالش سنگ،
کھڑے تھے بھاگنے کے واسطے در و دیوار

عجب نہیں ہے جو آنکھوں کی راہ بھولی نیند
اندھیرے گھر میں غش آ آ کے پھر گیا کئی بار

اندھیرے میں نہ ملا نیند کو مقام پناہ
لرز کے مردوں کی آنکھوں میں جا چھپی اکبار

چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے
نہ پائی آنچ روشن میان شہر و دیار

چراغ خانۂ مفلس کی طرح ماہ فلک
چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زنہار

اندھیری رات میں یوں تھا ہجوم ابر سیاہ
کہ جیسے اژدھے پر ہو سیاہ دیو سوار

زمانے بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں
خفا میں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بیزار

اِدھر تو کھینچتی تھیں سخت جانیاں دامن
اُدھر قضا مرے لے جانے کے لیے تیار

میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا
مرے لیے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار

ہر اِک کو دونوں میں دعوائے افضلیت تھا
ہر ایک کرتے تھے اپنی فضیلتیں اظہار

بیان دعویِ ہستی یہ تھا کہ سن اے مرگ،
میں تجھ سے بڑھ کے ہوں، آگاہ ہیں صغار و کبار

مرے طفیل سے قائم ہیں آسمان و زمین
مجھی سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار

مرے سبب سے ہے مہدی دین حق قائم
مرے سبب سے ہے ابدال صاحب اسرار

خدا نے کھائی قسم ہستیِ محمد کی
تو کیا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار

مرے سبب سے خضر رہنمائے عالم ہے
مرے سبب سے ہے الیاس صاحب آثار
مرے سبب سے ہے فردوس آشیاں ادریس
مرے سبب سے مسیحا ہے آسماں سیّار
محیط دہر میں میں ہوں بہ‌رنگِ کشتی نوح
ترے وجود میں طوفان قہر کے آثار
مرے پیالے میں آب حیات ہے لبریز
تری شراب میں مخلوط زہر عقرب و مار
خطاب مجھ کو دیا سب نے جان شیریں کا
ہر ایک تلخی بے نفع سے تری بیزار
مرے نصیب میں بانگ نشاط و نغمۂ عیش
تری بساط میں ہے نوحہ اور نالۂ زار
کہا یہ مرگ نے بس بس خموش، اے ہستی،
کچھ اِس میں راست ہے، کچھ لاف ہے تری گفتار
میں وہ ہوں جس سے لرزتے ہیں سرکشان جہاں
میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستمگر و اشرار
مرے سبب سے شہیدوں کو ہے حیات ابد
مرے سبب سے ہیں پیوند خاک بد کردار
مرے وسیلے سے ابرار زینت فردوس
مرے طفیل سے اشرار ہیں وقود النار
پسند آتی ہے تو کس کو ضعف پیری میں
کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بشر بیزار
ترے سبب سے ہیں محلوں میں چند دولت مند
ہزاروں، رنج سے ہیں نالہ کش پس دیوار
تری شراب نہیں ہے خمار سے خالی
نہفتہ نوش میں تیرے ہیں نیش زہر ہزار
ہزاروں ہیں مرض مفلسی سے جاں برلب
بتا تو کس کو پلاتی ہے شربت دیدار

ہزاروں قید میں روتے ہیں جان کو تیری
مجھے بلاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ کر ہر بار
زمانے بھر میں ہے شکوا ترے تلوّں کا
کسی کے ساتھ نہیں تیری ایک سی رفتار
کسی کو کھینچ کے مسند سے خاک پر پھینکا
کسی کو ڈال دیا چاہ غم میں یوسف وار
امیر تھے جو سلیمان عہد دنیا میں
برنگ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار
غضب ہے تخت سے جمشید کو اُتار دے تو
ستم یہ اور ہے ضحاک کو کرے مختار
بتا، جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آساں
تو تا بہ حشر پڑا تڑپے نیم کشتہ شکار
اگر کروں نہ سبکدوش میں دم سکرات
تو بار خاطر اہل و عیال ہو بیمار
غرض کہ رکھتی ہوں میں ہر فریب کا پردہ
تجھے بھی چاہیے ہو دل سے میری منت دار [۱]
غرور کر کے ہوئے مدعی خدائی کے
ترے سبب سے سلاطین ظالم و جبّار
خوشی میں تونے شہان عنید کو رکھا
ملول تجھ سے رہے انبیائے عرش وقار
خدا نے حکم دیا "قبل ان تموتوا" کا
جہاں میں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار
پیمبران خدا میرے شہر میں سب ہیں
کہ جن کے نقش کف پا سے خلد ہے گلزار
خصوصاً اُن میں شہ انبیا حبیب خدا
شفیع امت و محبوب ایزد غفار
صفائے آئینۂ لا إلٰہ إلا اللہ
جلائے سرمۂ ما زاغ واقف اسرار

---

[۱]—کلیات میں " منت و زار " چھپا ہے ۔

برنگ غنچہ جو ہے مہر احمد عربی
امانت اُس کی بغل میں ہے بوے گلشن یار
"مظہر" مدحت حاضر میں عرض کر مطلع
حضور قلب ہے نعت رسول میں درکار

منقبت امیرالمومنین حضرت علی

نور خورشید جو ہو صاعقۂ طور حمل — موسیِ روز کرے مصر دل شب میں عمل
مصر شب میں جو کرے بادشہ روز عمل — دل فرعون میں پھونکے ید بیضا مشعل
گل رعنا کے تماشے کے لیے گلشن میں — ایک جا ہوگئیں شام ابد و صبح ازل

پردۂ ابر بہاری میں ہوائے گلشن — لے چلی دیدۂ نرگس سے چرا کر کاجل

جنگ بدر واحد و خندق و خیبر سر کی — تیری تلوار کے لنگر سے پسے لات و ہبل

کیا کروں اسپ فلک سیر کے اوصاف رقم — سایہ اِس کا ہے شب وصل تو بجلی چھل بل

لکھ دوں تقویم کہن میں جو میں سرعت اِس کی
ہم بغل شام ابد سے ہو ابھی صبح ازل

منقبت جناب سیدۃالنسا

گذری شب سیاہ تجلا ہے نور کا — پڑھیے نماز صبح کہ تڑکا ہے نور کا
مصرع سے کم نہیں ہے قیام نماز صبح — دو رکعتیں ہیں، مطلع زیبا ہے نور کا
معراج پائی، سجدہ کیا خاک پاک پر — داغ سجود ہے، کہ ستارا ہے نور کا

مدح نواب کلب علی خاں

آ جاتے تھے تم صبح کی ساعت کے برابر — پھیلاتے ہو اب پانو قیامت کے برابر
جب دیکھتے ہو مجھ کو بگڑ جاتے ہیں تیور — ہے چین جبیں تیغ عداوت کے برابر
دیوانوں سے ہر روز ترا گیسوے خمدار — آشفتہ ہے زلف شب فرقت کے برابر
ہشیار، نہیں کوئی جو آنا ہے چلے آؤ — ہے بزم جہاں گوشۂ خلوت کے برابر

مطلع

پتّا ہو اگر گلشنِ جنت کے برابر — گردوں بھی ہو تیرے کفِ ہمت کے برابر

پھیلاؤں میں تیرے در دولت کے برابر — دامن ہو جو صحرائے قیامت کے برابر

رُت ہے برسات کی بہت پیاری — موج زن جھیلیں، ندیاں جاری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر — زرد، اودی، سنہری، زنگاری
بجلیوں کی چمک میں ہے چہل بل — جیسے رقصاں بتان فرخاری
کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے — سبز مخمل سے بھی سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے — جن سے شرمندہ باغ کی کیاری
تھمتی تھمتی ہوائیں پروائی — لہریں لیتی ہیں ندیاں ساری
شفق سرخ رنگ لائی ہے — لالہ گوں ہے سپہر زنگاری
ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں — روح پر ہوتی ہے خوشی طاری
کوئلا، بگلے، کوئلیں، طاؤس — اپنی تانیں سناتے ہیں پیاری
قازیں، مرغابیاں، بطیں، سرخاب — جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب — کر رہے ہیں نظر کی دلداری
عکس طوطی ہو جیسے آئنے میں — پانی اُن میں ہے اِس طرح جاری
سوندھی سوندھی زمین کی مٹی — بھینی بھینی چمن کی بو پیاری

آپ کے ہاتھ میں ہے وہ تلوار — جس نے بجلی کو کر دیا عاری
نام اِس برق کا ہے دشمن سوز — کام اِس ابر کا ہے خوں باری

ہے سواری میں کیا پری گھوڑا — خوش خرامی میں کبک کہساری
کر رہی ہے صبا چنور اُس پر — بوئے گل کرتی ہے جلو داری

پڑی ہے مجھ سے عناصر کے دل میں یار گرہ — بساط عمر رواں کا ہے عرض چار گرہ
پڑی جو تیوری میں، عالم وہ حسن کا نہ رہا — کسی سے سیکھ گئی نشئے کا اُتار گرہ
سمجھ لے قدر جو اکسیر خاکساری کی — تو اپنی گانٹھ میں باندھے مرا غبار گرہ

زمانے بھر میں خوشی کا کہیں نہیں ہے وطن
خدا کے فضل سے ہے رامپور ہی مسکن

تمام شہر ہے رنگیں لباس، خوش پوشاک — برنگ گل ہے ہر اک کے گلے میں پیراہن
شگفتہ طبع و شگفتہ دل و شگفتہ مزاج — ہر اک کے ساتھ لگی پھرتی ہے بہار چمن
کہیں مباحثۂ علم و مجلس فضلا — کہیں مشاعرہ ہے پڑھ رہے ہیں اہل سخن

ہجوم ہے سر بازار مہ جبینوں کا ۔۔۔ بھرے ہیں نور کے بکروں سے کوچہ و برزن
خوشا نصیب جو اِس شہر میں رہے آ کر ۔۔۔ جو بادشاہ ہو تو بھی نہ یاد آئے وطن

مدح منشی احمد حسن خاں "عروج"

بارے آئی نجات کی باری ۔۔۔ کھل گیا عقدۂ گرفتاری
ہم کو منصب ملا رہائی کا ۔۔۔ قید کو جائداد بیکاری
کوچ ٹھہرا مقام غربت سے ۔۔۔ اب وطن چلنے کی ہے تیاری
رخصت اے دوستان زندانی ۔۔۔ الوداع اے غم گرفتاری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت ۔۔۔ اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہاز دودی پر ۔۔۔ اُٹھتے ہیں لنگر گراں باری
کرم اے خضر ' المدد اے نوح ' ۔۔۔ رحم اے فضل حضرت باری
السلام اے خروش بحر محیط ' ۔۔۔ السفر اے سفینۂ جاری
زاد راہ سفر ' توکل ہے ۔۔۔ رہنمائی کو اُس کی غفاری
سامنے ہر طرف سمندر ہے ۔۔۔ سایۂ آسمان زنگاری

مفلسی اور رمضان

رمضان اب کا شہر ہے مجھ پر ۔۔۔ پھاڑے کھاتے ہیں روزے آٹھ پہر
مفلسی پہلے بھیج دی مرے پاس ۔۔۔ پھر ہوئے آپ میہماں آکر
کون کہتا ہے روزہ ہے تا شام ۔۔۔ رات دن ہے مقام میرے گھر
کھانے پینے کی چیز کیوں کر آے ۔۔۔ خود بدولت کھڑے ہیں پھرے پر
سحری کے لیے دکھاتے ہیں ۔۔۔ نقل بادام دیدۂ اختر
شام کے وقت بہر اِفطاری ۔۔۔ نمکِ بختِ شور پیشِ نظر
قدح آب کی جگہ موجود ۔۔۔ خوب لبریز آنکھوں کے ساغر
تلخ کامی اگر نہ زہر ملے ۔۔۔ جان شیریں کو کھاؤں جاے شکر

نذر عید قرباں

قصر جاں پرور ہے باغ دلکشاے صبح عید ۔۔۔ دامن دولت سے آتی ہے ہواے صبح عید
تہنیت دیتی ہے ہر دم عندلیب نغمہ سنج ۔۔۔ ہے زبان برگ گل پر ماجراے صبح عید
دلکشا گلہاں اگر دیکھے میاں رامپور ۔۔۔ کوچۂ چاک گریباں بھول جائے صبح عید

مثنوی

" حجاب زناں "

اے قلم لکھ دے پہلے بسم اللہ   تاکہ ناظم یہ سب کو ہو دل خواہ
حال جو کچھ سنا کیا موزوں   نہیں اس میں لطافت مضموں
اپنے لہجے میں یہ کلام نہیں   جب تو اس میں وہ التزام نہیں
سیدھی سیدھی زبان ہے اس میں   سادہ سادہ بیان ہے اس میں

نیک عورتوں کا ذکر

سنو واری ' جو بیبیاں ہیں نیک   چال ان کی ہے ایک بات ہے ایک
کام خوف خدا سے ہے ان کو   ربط شرم و حیا سے ہے ان کو
نہیں ہوتی ہیں بے لحاظ کبھی   پردہ ان کو ہے باپ بھائی سے بھی
روکھی سوکھی جو پائی کھاتی ہیں   جو مصیبت پڑی اٹھاتی ہیں
جس سے کپڑے گرو ہوں یا برتن   بھاڑ میں جائے وہ چھٹورا پن
ایسے تن پوش کے مزے پر خاک   جس سے کٹ جائے سات پشت کی ناک
نہیں باریک ان کا پیراہن   کبھی کھلتا نہیں کہیں سے بدن
گھر سے جاتی نہیں کبھی باہر   عمر پردے میں کرتی ہیں وہ بسر
گھر میں مزدوری اپنی کر لینا   دال دلیے سے پیٹ بھر لینا
شرع کی حد سے کب وہ بڑھتی ہیں   مسئلوں کی کتابیں پڑھتی ہیں

ہرمزی خانم کی گفتگو

ماں سے تب بولی ہرمزی خانم :   امی جان ' آپ کیوں ہوئیں برہم
دوس [۱] دینا کسی کو ہے بے جا   تھا یہ میرے نصیب کا لکھا
اپنی بدنامی میں نہ چاہوں گی   جس طرح ہو سکے نباہوں گی
ان کے آگے نہ ایسی بات چلے   کام انہیں سے ہے ہوں برے کہ بھلے
گو کہ مقدور ان کو آج نہیں   پر غنیمت ہیں ' بد مزاج نہیں
ہیں وہی گو کہ مالک و مختار   پر ہیں ہر طرح میرے تابعدار
میں کڑی ہوتی ہوں ' بگڑتی ہوں   آزمانے کو ان سے لڑتی ہوں
ہونٹ آگے مرے نہیں کھولے   مجھ سے بڑھ کر کبھی نہیں بولے
دیکھ کر میری شکل جیتے ہیں   پانو دھو دھو کے میرے پیتے ہیں

---

۱ — الزام ۔

بادشاہ سے خطاب

ہو ترقی شکوہ حضرت کی　　عدل و انصاف ' عمر و دولت کی
یہی واجب ہوا ہے حضرت پر　　رہے انصاف کی ہمیشہ نظر
دیتے ہیں بادشاہ سب کی داد　　کہ رعیت ہے صورت اولاد
یہی دستور ہے ' قصور معاف '　　ہم اطاعت کریں حضور انصاف
آپ جو چاہیں ہم سے لیں خدمت　　پرورش کی مگر رہے نیت
جب رعیت کو بادشاہ ستائے　　ستیا ناس جائے چین نہ پائے
ملک و دولت کو صاف کھو بیٹھے　　بادشاہت کو اپنی رو بیٹھے
لاکھ حیلوں سے زر رعیت کا　　لوٹے جو بادشاہ بے پروا
کب عدالت پناہ کہلائے　　بلکہ وہ روسیاہ کہلائے
قطعہ سعدی کا ہے بہت مشہور　　عرض کرتی ہے یہ کنیز حضور
بادشہ پاسبان درویش است　　گرچہ نعمت بفر دولت اوست
گوسفند از برائے چوپاں نیست　　بلکہ چوپاں برائے خدمت اوست
کیا ہو ظالم کی سلطنت میں اماں؟　　بھیڑیا بھیڑوں کا ہے دشمن جاں
نہ کند جور پیشہ ' سلطانی　　کہ نیاید ز گرگ چوپانی

رباعی

عالم اسیری میں

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا　　زہر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب لخت جگر کھا کے لگی پیاس "منیر"　　کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

قطعہ

نواب احمد حسین خاں " سالک " کی مدح میں

ازل کے دن سے نہیں بے علاقہ کوئی شے　　چمک ہے بہر قمر چاک دل کتاں کے لئے
اثر ملا سخن تلخ کو ہلاہل کا　　بنی حلاوت جاں لذت بیاں کے لیے
شراب آب بقا بہر ساغر ظلمات　　مسیح و خضر بنے عمر جاوداں کے لئے
پے طواف حرم اہل قبلہ ساعی ہیں　　برہمنوں کی جبیں سجدۂ بتاں کے لئے
تلاش معنی روشن برائے طبع منیر '　　"منیر" مدحت احمد حسین خاں کے لئے

قید کے حالات میں

فرخ آباد اور یاران شفیق — چھٹ گئے سب گردش تقدیر سے
آئے باندے میں مقید ہو کے ہم — سو طرح کی ذلت و تحقیر سے
کوٹھری تاریک پائی مثل قبر — تنگ تر تھی حلقۂ زنجیر سے
پھر الہ آباد میں بھجوا دیا — ظلم سے، تلبیس سے، تزویر سے
جو الہ آباد میں گذرے ستم — ہیں فزوں تقریر سے تحریر سے
پھر ہوئے کلکتے کو پیدل رواں — گرتے پڑتے پانوؤں کی زنجیر سے
ہتکڑی ہاتھوں میں بیڑی پانوؤں میں — ناتواں تر قیس کی تصویر سے
سوے مشرق لائے مغرب سے مجھے — تھی غرض تقدیر کو تشہیر سے

قطعۂ تاریخ

مدراس میں غلام نبی جب ہوے اسیر — گھر اُن کو کنج خانۂ آفت میں مل گیا
از بسکہ ہیں وہ اہل مروت میں نامدار — یہ زہر تلخ عیش کے شربت میں مل گیا
سب دوستوں کو رنج ہوا اُن کی قید کا — لطف سرور خاک مصیبت میں مل گیا
مدراس سے وہ آ گئے جب انڈمین میں — گویا مقام گوشۂ راحت میں مل گیا
والد تھے اُن کے مرد خدا شیخ مہدی دین — یہ رنج اُن کو ضعف کی کثرت میں مل گیا
بیٹے کے دیکھنے کو وہ آئے جہاز پر — فرزند اُنھیں جزیرۂ غربت میں مل گیا
اِس غم میں جب یہاں سے گئے مولوی ن کو — جسم لطیف خاک کدورت میں مل گیا
فرط غم و الم میں گئے جانب عدم — آرام اُن کو گوشۂ تربت میں مل گیا

تاریخ اُن کی مرگ کی کہہ دی "مظہر" نے
"دیکھو مقام گلشن جنت میں مل گیا"

۱۲۸۰ھ

صفیر

سید فرزند احمد ''صفیر'' سید احمد کے بیٹے بلگرام کے رہنے والے ۱۲۳۹ھ میں پیدا ہوئے - بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ آرہ ضلع شاہ آباد چلے آئے جہاں عرصے تک قیام رہا - ابتدا میں سید محمد مہدی ''خبیر'' بلگرامی اور پھر شیخ امان علی ''سحر'' سے اصلاح لیتے تھے - مرثیے میں ''دبیر'' سے اور فارسی میں ''غالب'' سے مشورہ کرتے تھے - پہلا دیوان ''صفیر بلبل'' پٹنے سے ۱۲۸۰ھ میں اور دوسرا ''خمخانۂ صفیر'' لکھنؤ سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا - اِن کے علاوہ متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں [۱] جن میں سے قصۂ بوستان خیال ' مثنوی اعجاز کلیم اور تذکرۂ جلوۂ خضر مشہور ہیں - ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی [۲] -

کلام اکثر عاشقانہ ہے اور اُس میں ''ناسخ'' کی آورد کا رنگ صاف معلوم ہوتا ہے - صحت زبان کا بھی خیال رکھتے ہیں -

غزلیات

کلیم وقت ہیں ہم طور معنی ہے مکاں اپنا
لقب لکنت کے باعث ہو گیا معجز بیاں اپنا

خموشی سب کی باتیں ہم کو سنواتی ہے فرقت میں
بہلتا ہے یونہیں دل بے ترے اے جانِ جاں اپنا

توجہ سے تری ساماں ہوا ہے وحشت دل کا
جلوں ' تیرے قدم سے سلسلہ نکلا سلاسل کا

نہ سمجھا میری بیتابی کو جب ناداں کسی صورت
تو اُس کا ہاتھ رکھ کر کہہ دیا یہ حال ہے دل کا

---

[۱]—تذکرۂ جلوۂ خضر - [۲]—سخن شعرا ص ۲۸۳ و تذکرۂ آب بقا ص ۸۳ -

شام سے حال ہے بیمار وفا کا کچھ اور
دیکھے جاؤ ' ابھی تا بہ سحر کیا ہوگا
وصل کی رات کٹی ' صبح کے آثار ہیں صاف
دل بجھا جاتا ہے اے شمع سحر ! کیا ہوگا

زلف ساقی نے جو بکھرائی تو دریا چڑھ گئے رہ گیا زاہد ' دعائے ابر رحمت مانگتا

آغاز ہی میں عشق ' یہاں کار گر ہوا میں کشتۂ معاملۂ یک نظر ہوا
آئے وہ اور اپنا جہاں سے سفر ہوا کیا خوب اتفاق قضا و قدر ہوا

خدا ہے ' دیکھیے کیا پھل ملے اس عشق بازی کا
بہت نشو و نما پر اب تو نخل آرزو آیا
ہمیں خوبوں سے اُلفت ہے ' تجھے منظور نظارہ
ہم آئے دل سے یاں اے شیخ اور آنکھوں سے تو آیا

ایک بجلی سی ابھی کوند گئی آنکھوں میں الاماں روزن دیوار سے کس نے جھانکا

آیا قریب صبح جو وہ آفتاب حسن جھلملنے لگا چراغ ' شب انتظار کا

جوشش شوق شب وصل میں دشمن ٹھہری تنگ آئی ہے مری آرزوے دل کیا کیا
جستجو میں تری تھک تھک گئے چلنے والے پانو پھیلائے پڑے ہیں سر منزل کیا کیا

اپنا دشمن میں ہوا آپ محبت میں "صفیر"
کیوں نہ ہو خود مرے ہاتھوں میں گریباں میرا

وہ کھڑے ہوگئے جانے کو ' قیامت آئی بزم احباب پہ عالم ہے صف محشر کا

یاں جس کو دیکھیے نظر آتا ہے کج نگاہ
اُن کی نظر کی طرح پھرا ہے زمانہ کیا
مجھ کو تو بیخودی میں نہیں ہے خیال کچھ
دل بھی ہوا ہے ساتھ تمھارے روانہ کیا

جنگل میں بھی گئے ' نہ چھپا وحشیوں سے عشق
کچھ پردہ پوش ' دامن صحرا نہ ہو سکا

کب اپنی چال سے ترا بیمار رہ گیا ؟ — در سے اُٹھا دیا ' پس دیوار رہ گیا

رشک نظارہ نے دیدار سے رکھا مجھے باز
تجھ کو آنکھوں میں بھی اے جان بٹھایا نہ گیا

اِک قیامت ہر گھڑی کے ساتھ ہے فرقت کی رات
آج وہ شب ہے کہ جس کے واسطے فردا نہیں

دید شبیہ یار سے ہے میری زندگی — روغن چراغ جاں کا ہے تصویر یار میں

دھوکا ہے مہوشوں کی محبت میں' اے "صفیر" !
مانو نہ مانو ' ہم تمھیں سمجھائے جاتے ہیں

نظارے پہ مائل تو ہو چشم شوق — حجاب نظر پردۂ در نہیں

دوگام چل سکا نہ' صنم' تیری راہ میں — گھبرا کے شیخ بیٹھ رہا خانقاہ میں
اے مژدہ بخش وعدۂ فردا نکل بھی آ — بیٹھا ہوا ہے ایک جہاں تیری راہ میں

ہمیں کافر نہ سمجھو ' زاهدو ' اِس بت پرستی پر
بتوں کے ظلم سہتے ہیں ' خدا کو یاد کرتے ہیں

اب تو اوج چرخ و بام یار دونوں ایک ہیں
چاندنی اور سایۂ دیوار دونوں ایک ہیں
طور پر موسیٰ کو خوش کر'کعبۂ دل میں ہمیں
اے صنم ' هم طالب دیدار دونوں ایک ہیں
وصل کی شب کون سونے دیتا ہے مجھ کو "صفیر"
چشم شوق و طالع بیدار دونوں ایک ہیں

عاشقی میں جب" انا لیلیٰ" کی نوبت آگئی
آئینہ ہو یا کہ روے یار دونوں ایک ہیں

انکار ہے ' اقرار ہے ' گالی ہے ' دعا ہے :
اب لاکھ زبانیں ہیں ترے ایک دهن میں

گل و بلبل کا نہ تو فیصلہ کر گلشن میں
کہیں عاشق نہ لپٹ جائیں ترے دامن میں

مار ہی ڈالےگی یہ زندگیِ ہجر مجھے ـــ رشتۂ جاں ہے کہ پھانسی ہے مری گردن میں

فردا کا وعدہ کس کو یہ سمجھائے جاتے ہو
سمجھے گا کیا وہ جس کو اُمید سحر نہیں

محفل یار میں ملتا دل ناشاد نہیں ـــ لائے تھے ہم کہ نہ لائے تھے' ذرا یاد نہیں

کسی کی فہم میں آتا نہیں ہے لکنت سے ـــ بجا ہے میرے سخن کا اگر جواب نہیں

آئے وہ میرے گھر ' تو رقیبوں کو لے کے ساتھ
یارب ' قبول یوں بھی کسی کی دعا نہ ہو
ہنستا ہے مل کے عدو کو ' کہیں مجھ سے وہ "صفیر"
پہلو تو دیکھیے کہیں دل لے چلا نہ ہو

گر آج وفا وعدۂ فردا ہو ' تو کیا ہو ـــ کچھ فرض یہی ہے کہ قیامت ہی بپا ہو؟
بٹھلائے ہوئے قیس کو ہے آبلہ پائی ـــ آنکلے کہیں ناقۂ لیلیٰ تو مزا ہو

تعلق ' عالم نیرنگ میں عشرت کا دشمن ہے
تماشا دیکھتے ہیں ہم جلا کر آشیانے کو

دیر کہتے رہے ' جانا کیے کعبا دل کو
آج تک ہم بھی سمجھتے رہے کیا کیا دل کو

آسائش وصال میں ہے شرط ' فکر ہجر ـــ تارنظر سے باندھ رکھوں آج خواب کو

بگڑا ' تو کیا کرے گا تو ارض و سما کے ساتھ؟
دانے کا زور کچھ نہ چلا آسیا کے ساتھ
خوبوں سے بھی زیادہ ہے بیداد گر یہ دل
اللہ ' مجھ کو بھیج دیا کس بلا کے ساتھ؟
بس اِک نگاہ دیکھتے ہی میں نے جان دی :
اُلفت کی انتہا بھی ہوئی ابتدا کے ساتھ

دنیا میں ہیں گو عدم کے ساکن، رخ ہے سوئے وطن ہمیشہ

لاکھ غیروں میں کیا تونے مجھی کو انتخاب
ظلم پر تیرے مجھے ناز، اے ستم ایجاد ہے

وہ ہنستے ہیں مرے رونے پہ میں روتا ہوں ہنسنے پر:
لبوں میں اُن کے بجلی ہے مری آنکھوں میں بادل ہے

ہر دم صدا یہی ہے ترے داد خواہ کی   مارا نظر نے رہ گئی حسرت نگاہ کی

کیا اُس سے کہوں جو یوں کہے، ہائے: سمجھا سمجھا جو مدعا ہے؟
تو مجھ سے اگر پھرا، تو کیا ہے؟   اے بت، بندے کا بھی خدا ہے

شب فراق میں دست جنوں سے لیجیے کام: بغیر چاک گریباں سحر نہیں ہوتی
یہ آسرا ہے کہ پھر کر تو دیکھ لے شاید: تری نگاہ سے قطع نظر نہیں ہوتی

تونے گلگشت جو موقوف کیا، اے گل تر،   پھول مرجھائے چلے آتے ہیں گلزاروں سے

سمجھ کے شیفتہ ہم سے کلام کرتے ہیں   خدا ہمیشہ رکھے بات حسن والوں کی

یہ کس خطا پہ کیا آپ نے شہید ہمیں؟
جواب کیا ہے، جو کوئی سوال کر بیٹھے؟

منہ بوسے کا مشتاق ہے، دیدار کی آنکھیں:
دیکھوں تو مری جان نکلتی ہے کدھر سے

نہیں کہہ سکتے کچھ ہم حشر کے روز   تمہارا منہ خدا کا سامنا ہے

کچھ نہ دیکھا تجھے، دیکھا بھی جو موسیٰ کی طرح:
رہ گئی پردۂ دیدار میں، حسرت میری
اے فلک، بندۂ بیدام محمدؐ ہے "صفیر"!
پوچھ لے میرے خریدار سے قیمت میری

شرارت تری، آنکھ کا تل ہوئی: حیا بن کے آنسو میں داخل ہوئی
محبت کی درپیش منزل ہوئی،   بگولوں میں خاک اپنی شامل ہوئی

فرمائیے نہ ترکِ محبت کے واسطے ، ناصح ! ریاضت ایک یہی عمر بھر کی ہے

ثباتِ گل و لالہ کیا پوچھتے ہو ؟ اُڑے رنگ ہو کر چمن کیسے کیسے

سب ملمعے ہیں یہ غیروں کی بناوٹی باتیں ، پردہ اُٹھ جائے تو جانو کہ محبت ہے کسے

تیری ہی چشم مست کا پیمانہ چاہیے ساقی مجھے تو لغزش مستانہ چاہیے

خبر "صفیر" کی لاتا کوئی ، خدا جانے کہ اُس غریب پہ کیا کوئے یار میں گذری

انجام اپنا خاک نہ سمجھے ہم ، اے فلک ، دنیا میں خاک چھان کے مٹی خراب کی

تبسّم سے ، تکلّم سے ، حیا سے : مجھے مارا بھی تو کس کس ادا سے
بتو ، ساری خدائی ہم کو ملتی ، جو اِتنی اِلتجا کرتے خدا سے

پیامِ مرگ ، اے اجل کہاں تک ؟ کبھی قدم رنجہ کر یہاں تک
فغاں سے[۱] اب تھک گئی زباں تک ، خموش کب تک جیا کریں گے

---

۱ — خمخانۂ صفیر (میں) ۔

قدر

غلام حسنین "قدر" سید خلف علی کے بیٹے ۱۲۴۹ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے - واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے - ابتدا میں امان علی "سحر" اور مرزا محمد رضا "برق" کے شاگرد ہوئے پھر امداد علی "بحر" سے اصلاح لی - غدر کے بعد لکھنؤ سے دلی آئے اور "غالب" کو اپنا کلام دکھانے لگے - آخر میں حیدرآباد میں چار سو روپیے ماہوار کے ملازم ہوئے لیکن آب و ہوا موافق نہ آئی ' اِس لیے لکھنؤ واپس آئے اور اُسی سال ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی - [۱]

"قدر" ہندی زبان سے واقف تھے اور ہندی عروض (پنگل) بھی خوب جانتے تھے - ان کا حافظہ قوی تھا ' اور طبیعت ہمہ گیر پائی تھی - اُردو غزلوں میں سادگی' شوخی' رنگینی اور قصائد میں روانی پائی جاتی ہے - زبان کی شستگی اور محاورے کی صحت اِن کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے -

غزلیات

مندفق ہو سحر بن کر ' جس سے شب امکاں کا
وہ مہر قیامت ہے ' مطلع مرے دیواں کا

اِک طرفہ رقم میں تھا ' دونوں نے کیا ساجھا
اُلفت نے مجھے پرکھا ' رحمت نے مجھے آنکا

خم سے جام شراب نکلا ۔ کہسار سے آفتاب نکلا
دوڑو ' دوڑو ' کلیم دوڑو ' ۔ وہ بام پہ بے نقاب نکلا
غش کھا کے گرا میں' شعلۂ طور! ۔ بیارے ' تیرا حجاب نکلا

---

[۱] کلیات قدر بلگرامی -

رسی تو جلی ' مگر رہا بل : کاکل سے نہ پیچ و تاب نکلا
اچھا ہوا ' اور آئینہ دیکھ ؛ لے ' گھر میں ترا جواب نکلا

ہوگیا ابرو کی سفّاکی سے شہرہ یار کا
کام کرجائے سپاہی ؛ نام ہو سردار کا
زلف و مژگاں دیکھ کر یاد آگیا دشت جنوں
وہ اندھیری رات وہ تلووں میں چبھنا خار کا
''قدر'' کیا اصلاح ''غالب'' سے مری شہرت ہوئی
وہ مثل ہے ؛ باڑھ کاٹے نام ہو تلوار کا

اِک کف خاک سے دیکھی تری صنعت کیا کیا
مورچہ کوئی بنا ' کوئی سلیمان ہوا
ہجر نے ' موت نے ' یا ناز و ادا نے ' مارا
اِنھیں دو چار میں ایک آدھ کا احسان ہوا

اُس پر کہیں نماز میں گنبد نہ پھٹ پڑے
واعظ نے توڑ ڈالا ہے مٹکا شراب کا
آب حیات و چشمۂ خورشید گرد ہو
دیکھیں جو رنگ ' خضر و مسیحا شراب کا

تم سے بچا جو نور ' ہوئی روشنی شمع
مجھ سے بچی جو خاک تو پروانہ ہو گیا
شکل دوئی پسند نہیں ' میری آنکھ کو
ٹپکا جو اشک ' گوہر یکدانہ ہو گیا
بلبل کی روح کیا مرے تن میں سمائی ہے
جب آ گئی بہار ' میں دیوانہ ہو گیا

ہے ورد اپنا ' سحر کو نالہ و فریاد کر لینا
بہر صورت کسی پردے میں تجھ کو یاد کر لینا

نہیں جنت نہ سہی ' خیر جہنم ہی سہی
اِتنا تھوڑا ہے ' مجھے تو کسی قابل سمجھا !

یہ تو کہتے نہیں ہم حشر کا دن چھوٹا ہے
پر ہماری شبِ فرقت کے برابر نہ ہوا

اضطراب دشت پیمائی نہ چھوٹے گا کبھی
خاک ہوگا جب بدن ' ریگ رواں ہو جائے گا
اُس کی اِس نامہربانی پر تو میں دیتا ہوں جان
کیا قیامت ہوگی ' جب وہ مہرباں ہو جائے گا

آئے لحد پر آج بڑا حوصلا کیا — اللّٰہ ' کیا حضور نے خوف خدا کیا
اے یار' آنکھ لڑتے ہی برما گئی نگاہ — آنکھوں سے خون ہو کے کلیجا بہا کیا

اشک گرم آنکھ سے نکلے جو بڑھی سوزش دل — ہم نے جلتا ہوا تنّور اُبلتے دیکھا

سائے کے لیے ابر سیہ جھوم کر آیا — جب قصد ہوا جانب میخانہ ہمارا

یہ کہہ کہہ کے سمجھاتے رہتے ہیں دل کو — جو بھولے ہمیں' اُس کو کیا یاد رکھنا

دامن رحمت باری میں چھپا میرا راز — میں ہوا اشک فشاں' ہوگئی مشہور گھٹا
یا الٰہی یونہیں سر سبز رہے باغ مراد — زیر انگور ہوں میکش ' سر انگور گھٹا

اشک اُمڈے ہجر میں جب آہ کی — برق چمکی اور بادل گھر گیا
گھر عدم ہے' یہ جہاں ہے سیر گہ — ہر کوئی دم بھر کو آیا ' پھر گیا
کیا عجب' اے "قدر" دن پھر جائے مرے'
جس کے فرمانے سے سورج پھر گیا

تم نے مکھڑے پہ جو گیسوے پریشاں چھوڑا
کالا پردہ دو کعبہ پہ مری جاں ! چھوڑا
ہائے اِس موت نے ویران کیا کس کس کو
کوہ ' فرہاد نے ' مجنوں نے بیاباں چھوڑا
دیر و مسجد میں ترا ذکر ہے اللّٰہ اللّٰہ!
حسن الطاف نے ہندو نہ مسلماں چھوڑا

ہو سکتی نہیں دل شکنی مجھ سے کسی کی
کعبہ تو مسلماں سے ڈھایا نہیں جاتا

اُلٹ کے دفتر ہر آسماں کا ' کیا رخ آہوں نے لامکاں کا
پڑا رہا شور الاماں کا ' دھرا رہا غل کہاں کہاں کا
عدم کی ہستی کا میں مکین ہوں ' بقا جہاں ہوں فنا وہیں ہوں
ہزار اُٹھوں میں تو کچھ نہیں ہوں غبار ہوں صحن لامکاں کا
فقط نہ سینہ ہی توڑ کافر جگر بھی حاضر ہے دل بھی حاضر
بتا تو اے تیر عشق ' آخر ترا اِرادہ ہے اب کہاں کا ؟
ہزار نالے کروں تو کیا ہے ؟ کہیں سماعت بھی یا خدا ہے ؟
شوالے میں سنکھ پھنک رہا ہے تو شور کعبے میں ہے اذاں کا
جو پھس ڈالے محبت گل ؛ رہا نہ ہو دامن توسل
جو خاک ہو جائے جسم بلبل ' غبار ہو صحن بوستاں کا
وہ برق طور تجلّی آرا ' کلیم نے جس سے دم نہ مارا "
بجھا ہوا تھا کوئی شرارا حضور کے سنگ آستاں کا

نہ بھاگ عسرت سے اِس منجدھار میں ' وہ عین عشرت ہے اِس جہاں میں
سدا ہے زندان موسِماں میں مزا ہے کنار کے جناں کا
جنھیں سمجھتے ہیں لوگ تارے ' وہ چھید ہیں وار پار سارے
یہ ہم نے آہوں کے تیر مارے کہ سینہ چھلنی ہے آسماں کا

اُلٹ دیا وہ طبق زمیں کا پتا نہیں چرخ ہفتمیں کا
برا ہو آہِ دلِ حزیں کا کہ مجھ کو رکھا نہیں کہیں کا
کلیم تم نے نہ اُس کی مانی تو غش میں واجب تھی تاب لانی
جو چھیڑی تھی بحث لن ترانی ' جواب دینا تھا ہاں نہیں کا
کھِلا وہ باغ خلیل ہوکر ؛ بنا سر طور نخل اخضر
ہوا سے جھڑ کر گرا زمیں پر ' جو ایک پھول آہِ آتشیں کا

ترے میکدے سے ساقی ہمیں نا اُمید جائیں؟
جو کوئی یہاں سے نکلا وہ پیے شراب نکلا

دور ساغر ہم تلک پہنچا نہ ساقی ' یا نصیب!
جاتا ہے مشرق سے مغرب تک برابر آفتاب

بے نام و بے نشاں ہیں، نہ پوچھو ہمارا حال
برگشتہ بخت و بے وطن و خانماں خراب

حسن کو لاکھ ناز ہو، پھر بھی ہے فوق عشق کو
تم سرِ دل پہ دیکھ لو، برھنہ پائے عندلیب
عشق کی جب ہوا چلی، حسن نے سانس تک نہ لی
چٹکی اگر کوئی کلی، آئی صدائے عندلیب

سودا ہے تجھے، قاروں تو نہ بن، کچھ راہ خدا میں صرف بھی کر
یہ بوجھ نہ تجھ سے اُٹھ سکے گا سو پھر نہ بہت تو لاد عبث
کیوں لاش پہ میری روتے ہیں سب؟ کیوں مفت میں آنکھیں کھوتے ہیں سب؟
چونکوں گا نہ خواب مرگ سے میں؛ ہے شور عبث، فریاد عبث

صیّاد نے چمن میں قفس لا کے رکھ دیا — کیا پوچھتے ہو مرغ گرفتار کا مزاج
منت کش مسیح نہ ہوگا وہ حشر تک — ہے عرش پر حضور کے بیمار کا مزاج

منصور، تیری دار مبارک رہے تجھے
اپنا تو سر ہوا سر نوک سناں بلند
یہ ضبط عشق ہے کہ نہ نکلے گی منہ سے آہ
ایسے جلیں گے ہم کہ نہ ہوگا دھواں بلند

موسمائی تھی کیا وہ چشم سیاہ — کھو دیا دل کا اِک نظر میں، درد

میں کیا کہوں، کسے آئے گا اعتبار اُس کا
بہت کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے خواب کے مانند

قبر ٹھکرا کے مری، کہتے ہیں کس ناز سے وہ
تمھیں بے چین تھے، اللہ رے آرام پسند

ہندوِ چشم کجا، مصحفِ رخسار کجا
کفر کے تحت میں ہم کو نہیں اسلام، پسند
رمزِ اُلفت سے نہیں دست و زباں کو مطلب
کیوں کریں رسم و رہ نامہ و پیغام پسند

حشر میں اشک ندامت نے بڑا کام کیا ۔۔ نکل آیا مرے اعمال کا کورا کاغذ

گردن شیشہ جھکا دے مرے پیمانے پر
مینہ برستا رہے ساقی ' ترے میخانے پر
رمضاں آتا ہے للہ جھکا دے ساقی '
تیس دن وال ٹپکتی نہیں ' پیمانے پر
غش ہوا گردن ساقی پہ ' کبھی آنکھ پہ لوٹ
کبھی شیشے پہ گرا میں ' کبھی پیمانے پر

گھٹ کر ہلال ہو مت کامل غرور سے ۔۔ کامل وہ ہے جو سر نہ اُٹھائے کمال پر
تو صیدگاہ دہر میں غافل ہے کس لیے ۔۔ پھندا لگا ہوا ہے ترے بال بال پر

یہ لن ترانیاں ' ہمیں ہرگز نہیں پسند
موسیٰ کو کیا ملا تجھے اِک بار دیکھ کر

کیا تجھ کو ملے گا دل دکھا کر ۔۔ کعبے کو نہ ڈھا خدا خدا کر
کہتا ہوں کیا ہے تم نے بے ہوش ۔۔ فرماتے ہیں ہوش کی دوا کر
اے عمر رواں' کہاں گئی تو ۔۔ تنہا مجھے گور میں سلا کر

چاند سورج کو نہ فرماتے کہ '' ھٰذا ربّی ''
دیکھ پاتے جو خلیل آپ کے پیارے عارض

''قدر'' کو بتکدے میں دیکھا ہے ۔۔ ایسے مسلمان کا خدا حافظ

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
کیوں کر نہ زلف یار میں ہوتا قرار دل
ایسوں کے آڑے آتا ہے کوئی جہان میں
چھاتی یہ اپنی ہے کہ ہوئے پردہ دار دل

سوئے جاکر مزار میں ہم ۔۔ اب پہنچے ہیں کوئے یار میں ہم
جب خاک ہوئے تو اوج پایا ۔۔ مل مل کر اُڑے غبار میں ہم

جو ہے عرش پر وہی فرش پر کوئی خاص اُس کا مکاں نہیں
وہ یہاں بھی ہے وہ وہاں بھی ہے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

میں وہ سرو باغ وجود ہوں میں وہ گل ہوں شمع حیات کا
جسے فصل گل کی خوشی نہیں جسے رنج باد خزاں نہیں
مجھے کیا جو شور نشور ہو یہیں پوچھ لو جو ضرور ہو
میں لحد سے اُٹھ کے چلوں وہاں مجھے اِتنی تاب و تواں نہیں
جو سمجھ گیا وہ سمجھ گیا جو بہک گیا وہ بہک گیا
کہ عجیب حال ہے گو مگو وہ نہاں نہیں وہ عیاں نہیں
ہوئیں زرد زرد جو پتیاں یہ بھی اِک طرح کی بہار ہے
میں بسنت اِس کو سمجھتا ہوں یہ چمن میں فصل خزاں نہیں

تجھ میں عالم ہے فنا عالم میں تو موجود ہے
جس طرح گوہر میں ہو آب اور گوہر آب میں

دکھلاؤں میں تجھ کو گل و بلبل کا تماشا
چل تو سہی اے وعدہ فراموش چمن میں

بے مشقت کام دنیا کا ہوا حاصل کہاں ؟
مل گیا غوّاص کو گوہر لب ساحل کہاں ؟

رہے ہیں عالم ذرّات میں ہم ناتواں برسوں
بتایا ہے ہمیں جب کر چکے ہیں امتحاں برسوں
" بلیٰ " کہہ کر بلا کا نشّہ ہم کو چڑھ گیا یا رب
نہ آئے ہوش میں ہم مست جام کن‌فکاں برسوں
رہوں گا جام کوثر سے نہ خالی ہاتھ اے واعظ !
کہ اِن ہاتھوں سے کی ہے خدمت پیرمغاں برسوں

دل رخ سے اُڑ کے پہنچا گیسوے پُرشکن میں
کعبہ عرب سے اُٹھ کر داخل ہوا ختن میں
جو لن ترانیاں ہیں پوری کہانیاں ہیں
خالق پکارتا ہے خلقت کے پیرہن میں

آتا ہے زلزلہ تو یہ کہتا ہوں دل سے میں
تیری طرح تپاں کوئی زیر زمیں نہ ہو

پشت مسجد کی ہے کعبے کی طرف اے واعظ،
کھل گیا حال وہ راست کا سارا ہم کو

حالت تو دیکھ مردم چشم سیاہ کی — پھانسی گلے میں پڑ گئی تار نگاہ کی

واعظ خبر اُڑاتا ہے عرش آلہ کی — چھت گر پڑے نہ سر پہ کہیں خانقاہ کی

اے "قدر" تم بھی کتنے خوشامد پسند ہو
دل اُن کو دے دیا جو ذرا واہ واہ کی

شمار میں نہیں موجود جہانِ فانی کی — جلوں ہے اُسے لہریں گئے جو پانی کی

سمجھ گیا ہوں معمّا تری خموشی کا — وہ بات ہو کہ دہن نا پدید ہو جائے

تعلّقات جہاں سے چھٹے ہیں مرقد میں
سفر تمام ہوا آج اپنے گھر آئے
جو آنکھ ہو تو جہاں آفریں جہان میں ہے
اِس آئنے میں سکندر کا منہ نظر آئے

منکسر ہوتے ہیں ہنر والے — نخل جھک جاتے ہیں ثمر والے

حق کہو تلخ، جھوٹ بولو گناہ — بس خموشی سخن سے بہتر ہے

ہوئے کارواں سے جدا جو ہم، رہ عاشقی میں فنا ہوے
جو گرے تو نقش قدم بنے، جو اُٹھے تو بانگ درا ہوے
کبھی داغ کھاتے ہی آہ کی، کبھی آہ کرتے ہی رو دیے
کبھی ہم چمن کی ہوا ہوے، کبھی ہم ہوا کی گھٹا ہوے
ہوا غل عدم میں وہ ناگہاں کہ ملائی یاروں میں ہاں میں ہاں
اُٹھے ہم تو مست الست اُٹھے، جو بڑھے تو کُن کی صدا ہوے
جو لہو تھا اُس میں بھرا ہوا، تو ہر ایک زخم ہرا ہوا
یہ دل و جگر مرے کیا ہوے؟ کوئی تازہ برگ حنا ہوے
اِنھیں تنگیوں میں فشار ہے کہ تپش میں جسم نزار ہے
یہ قفس میں طائر باغ کیا کوئی مرغ قبلہ نما ہوے

جو نگہ ہے چشم سیاہ میں وہی برق طور ہے راہ میں
تری آنکھ پر جو فدا ہوے وہ شہید راہ خدا ہوے
بنے "قدر" ایسے غبار ہم ' ہوئے گردشوں میں وہ خوار ہم
کہ مثال دائرۂ فلک جو اُٹھے تو بے سر و پا ہوے

باغ سے جب ہوا چلی میکدے سے گھٹا چلی
دل کی کلی کھلا چلی دل کی لگی بجھا چلی
واہ رے دورۂ شراب خانقہیں ہوئیں خراب
جھوم رہے ہیں شیخ و شاب' اب کے عجب ہوا چلی

ساقی کہے' تو دم نہ کوئی بادہ خوار لے واعظ کی پگڑی کیا کہ کفن تک اُتار لے
ساقی جو چھانٹا ہو مے سرخ سرخ کو واعظ کا سبز سبز عمامہ اُتار لے

مثال آئنہ ' ہم سب سے ہیں صاف جو دل میں بات ہے' منہ پر وہی ہے

گہر کے مثل ' نہ ثابت کبھی حباب رہے
جہاں میں سر جو اُٹھائے وہی خراب رہے

گھیرا ہے روے یار کو زلف دراز نے قرآن اُٹھا لیا ہے بڑے جعلساز نے

ہم نے جھیلی ہیں' ہجر کی راتیں حشر' اے واعظو' بلا کیا ہے!
میرے پہلو میں دل ہوا نہ ہوا آپ کا اِس میں مدعا کیا ہے؟

ہو گئے لاکھوں خداوند آج کل نام کو گھر گھر خدائی ہو گئی

دیتا ہے روز حشر پہ رندوں کو دھمکیاں واعظ ' زبان روک! ابھی دلّی دور ہے

اے "قدر" اُن کو ظلم دیا حق نے ' ہم کو صبر
ہر بات ہے حکیم کی حکمت بھری ہوئی
اُمید ' مغفرت کی ' سیہ کاریوں میں ہے
کالی گھٹا میں دیکھی ہے رحمت بھری ہوئی

ہم اگر قیامت میں ' جم کے ٹکٹکی باندھیں
آفتاب محشر بھی' روے یار ہو جائے

اشک سے اگر سینچیں، باغ طالب دیدار
شاخ میں جو گل نکلے روے یار ہو جائے

غزل مسلسل

جو عضو باطن خدا بناتا ، تو ہم دل بے قرار ہوتے
جو عضو ظاہر خدا بناتا ، تو دیدۂ اشکبار ہوتے
جو نقش ہم کو خدا بناتا تو بنتےہم نقش نامرادی
غبار ہم کو خدا بناتا ، تو اپنے دل کا غبار ہوتے
خدا کسی کے گلے لگاتا ، تو پڑتے اپنے گلے اُلجھ کر
خدا کسی کا جو ہار کرتا ، گلے کا اپنے ہی ہار ہوتے
خدا ہمارے جو پر لگاتا تو شب کو پروانہ بن کے جلتے
خدا جو نغمے ہمیں سکھاتا، تو دن کو نالاں ہزارہوتے
خدا کسی کا جلیس کرتا،توہوتے غم خوار ہم غضب کے
خدا کسی کا انیس کرتا ، تو قہر کے غمگسار ہوتے
غرض کہ ایسا مصیبتوں کا ہمارے دل کو مزا پڑا ہے
کہ "قدر" ہم کو خدا بناتا ، تو ہم ذلیل اور خوار ہوتے

قصائد

مدح میر محبوب علی خاں ، شاہ دکن

باغ پر آج گھٹا ٹوٹ اُٹھا ہے بادل
خسرو باد بہاری کا کھنچا دَل بادل
ابر خیمہ ہے تو بوندیں ہیں طناب خیمہ
چوب خیمہ ہے دھنک ، سبزہ ہے فرش مخمل
جھک پڑی کالی گھٹا ، دن ہوا برسات کی رات
سب کو ہرپھر کے دکھا جاتی ہے بجلی، مشعل
باغ میں چاروں طرف آگ لگائی گل نے
سبز جھاڑوں پہ گلستاں میں چڑھے لال کنول
قہقہہ مار کے گل کہتے ہیں "سبحان اللّٰہ" !
" بارک اللّٰہ " ہے پتوں کی زباں پر ہر پل

یوں شرابور ہیں باران بہاری سے سرو
جیسے چوٹی کے شوالے میں چڑھے گنگا جل

گری پڑتی ہے درختوں پہ صبا مستانہ
غنچے کہتے ہیں چٹک کر کہ سنبھل دیکھو سنبھل
گل سوسن کو جو توڑو تو مرا بخت سیاہ
سرو و شمشاد کو چھانٹو تو مرا طول امل
سونگھو، لالے کو تو یک لخت مرا خون جگر
دیکھو سنبل کو تو بالکل مری قسمت کا بل
کیا ہی شاداب ہیں گل، رنگ چوا پڑتا ہے
شاخ گل کہتی ہے بلبل سے کہ لے مہندی مل

شاہد فصل بہاری ہے غضب کی چنچل
کبھی پھولوں سے ہنسی ہے کبھی غنچوں سے چُہل
شاخیں جھک جھک پڑیں، یا شاہد فصل گل نے
ناز سے ڈال لیا سر پہ الٹ کر آنچل

قوت نامیہ ہے، اٹھتی جوانی ہر پل
کہ جوانان چمن آج ہیں کچھ اور ہیں کل
کیا عجب سرو پہ پیچوبۂ گردوں ٹک جائے
کیا عجب گردش افلاک میں آجائے خلل
کیا عجب لوگ ہتھیلی پہ جمالیں سرسوں
کیا عجب ہاتھ کے ٹل سے کوئی پھوٹے، کونپل
کیا عجب رشتۂ زنار سے بیلیں پھیلیں
کیا عجب دانۂ سبحہ سے اُگے، نخل امل
کیا عجب روح شہیداں بھی پئے دید بہار
خاک سے پھر بھوتی کی طرح آئے نکل
باغبان چمنستاں کا ہے گردوں پہ دماغ
مجھ کو ڈر ہے کہیں رضوان سے نہ ہو رد و بدل
سبزہ شمشاد سے، شمشاد ہے طوبیٰ سے بلند
جائے طوبیٰ نہ کہیں عرش کے اُس پار نکل

جو یونہیں پھولتی پھلتی رہی گلشن میں بہار
جو یونہیں نامیہ کرتا رہا ہر عقدہ ' حل
کیا تعجب ہے جو گولر میں نکل آئے پھول
کیا تعجب ہے اگر سرو میں آجائے پھل
کیا تعجب ہے کہ پتھر میں نمو پیدا ہو
خاک سے چرخ کی جانب کو چلے بندھیاچل

ہے یہ گھنگھور گھٹا ہاتھیوں کا دَل بادل
کجلی بن دھوم سے جنگل میں منائے منگل
کالے بادل جو دبے پانو چلے جاتے ہیں
بے صدا پانو یہ دھرتا ہے زمیں پر ہر پل
کہیں بادل کی گرج سے بھی زمیں ہلتی ہے
اِس کی چنگھاڑ سے ہوتی ہے فلک کو ہل چل
پہلے ہم عرش کی زنجیر سنا کرتے تھے
دیکھ کر سونڈ میں زنجیر ' وہ عقدہ ہوا حل
لے کے یہ سونڈ میں پانی کو ' اُڑائے جو پُھہار
سارے عالم کو نظر آئے برستا بادل
ہیں عماری میں مرے قبلۂ عالم جو سوار
پوشش کعبہ سیہ ہے نہیں ہاتھی کا مخمل
تیغ در دست ہیں ہاتھی پہ حضور پُرنور
کالے بادل میں چمک جاتی ہے بجلی ہر پل

نیمچہ سبز ہے ' پر خوں میں بھرا جاتا ہے
لال پھولوں میں لدی جاتی ہے اُٹھتی کونپل
اب تک خشک ہے کیا قہر ہے تلوار کی آنچ
آنچ اک برق ہے کیا ابر میں ڈوبا ہے پھل
چرخ پر چڑھ کے جو اُتری تو بنی عید کا چاند
عید قرباں کا کیا کام ' میان مقتل

میر لائق علی خاں، مدارالمہام کی مدح میں

ہاں مری طبع رسا ! خاک سے افلاک پہ چڑھ
ہاں مری فکر بلند ! آج پہنچ کرسی پر
ہاں مرے دست بیاں ! عرش کی زنجیر ہلا
ہاں مرے پائے ثنا ! عرش کے اُس پار ٹھہر
ہاں مرے شور مقالات ! بجا دے ڈنکا
ہاں مرے زور خیالات ! جما دے لشکر
ہاں مرے وہم رواں ! اُٹھ کے بٹھا دے سکّہ
ہاں مری فہم جواں ! بڑھ کے بچھا دے منبر
ہاں بلاغت ! وہ فصاحت سے سنادے خطبہ
سن کے "سودا" بھی کہے صلّ علیٰ چلا کر
اُس کی آواز سے گور متنبّی ہل جائے
ہند سے تا عرب اِک دھوم رہے آٹھ پہر
تیغ ہندی جو کھنچے نور کے جوہر چمکیں
جوہر خنجر رومی کے بجھا دوں تیور

اُس کا شبدیز چھلاوا ہے، کہ اِک تیر نظر
چاند ہے، برق جہندہ ہے، کہ اِک باد سحر
اِک دبور، ایک صبا، ایک شمال، ایک جنوب
دست و پا چاروں ہیں یہ چار ہوائیں مل کر

میرے ساقی نے مرے منہ سے لگایا ساغر
مطربو، مجھ کو سنبھالو میں گرا بربط پر
مغبچو، ہاتھ مرا تھام لو، دوڑو ! دوڑو !
خدمت پیر مغاں میں مجھے پہنچاؤ مگر
میکشو، راہ سے اُٹھواؤ خم و جام و سبو
مست ہوں، مست ہوں، لگ جائے گی میری ٹھوکر
نشہ کیا چھایا کہ آنکھوں میں اندھیرا چھایا
اب سیہ مست نظر آتا ہے میخانہ بھر

نشئے میں چور ہوں چھپتے نہیں اسرار دلی
دل میں جو آتا ہے آتا ہے زباں پر فرفر

راجا محمد امیر حسن خاں' والی ریاست محمودآباد کی مدح میں

چمن کا بیاہ ہے' کلیوں کا ہوگیا انبار بندھا عروس بہاری کے در پہ بندھنوار
بدل کر آئی ہے مشاطۂ صبا ' جوڑا سفید ابر بھی چھایا تو ہو گیا گلنار
دھڑی جمائے ہوئے سوسن اپنے ہونٹوں پر حنا لگائے ہوئے پنجے میں ہے دست چنار
گلوں کے چہرے پر افشاں چنی ہے شبنم نے جو غازہ ملتی ہے رخ پر ہوائے فصل بہار

بنی ہے زخمہ ہر اک عندلیب کی منقار
جہاں پڑی رگ گل پر ' بجا چمن میں ستار
گرج ہے بادلوں کی ' یا گُمک ہے طبلے کی
جو مور ناچتے ہیں ' ہل رہا ہے سب گلزار
لگائی ہے گل شبّو نے منہ سے شہنائی
جو پتے ملتے ہیں' جھانجھیں بجاتے ہیں اشجار
بھرے ہوئے ہیں پیالے گلوں کے شبنم سے
پڑی جو شاخ اُٹھی جل ترنگ کی جھنکار
ہے اُس بہار میں ایسا چلوں کا جوش و خروش
مثال سلسلہ بجتا اُٹھا چمن کا بنھار
یہ حال دیکھ کے صوفی بھی وجد کرتے ہیں
ہوئی ہیں حال سے بےحال قمریانِ نزار

وہ خاک ہوں جو اُڑائے ہوائے دھر مجھے
میں آسمان پہ چڑھ جاؤں اُٹھ کے مثل غبار
غبار چہرۂ گردوں ' دلیل باران است
برس پڑوں ترے گلشن پہ بن کے ابر بہار
تو اُس سے ' خلق ہو سبزہ ' زبان کی صورت
خضر کا رنگ ہو پیدا ' مسیح کی گفتار

مہاراجا مان سنگھ بہادر کی مدح میں

آئی بہار' سبز ہوا چرخ اخضری ہے کہکشاں بھی' صورت شاخ چمن' ہری

کیا لالہ زار ہے، شفق چرخ چنبری سورج مکوی ہوا گل خورشید خاوری
اب کی بہار آئی ہے کیسی ہری بھری

طاؤس پھر رہے ہیں خراماں، چمن چمن
ہیں یاسمین و سنبل و ریحاں، چمن چمن
کیسا کھلا ہوا ہے گلستاں، چمن چمن
اب تو ہوا ہے تخت سلیماں، چمن چمن
بوٹے اُگے ہیں باغ میں اِمسال کیا پری

سب صحن بساغ ہوگیا، میداں گلزار
لالے کی پلٹنوں نے جمائی الگ، قطار
ہر شاخ گل، کماں ہوئی خم کھا کے ایک بار
پتوں کی نوکیں ہو گئیں، پیکان آبدار
بن بن گئی ہر اک رگ گل تیر کی سری

ہے آبرو بہار کی اب تو خدا کے ہاتھ
پھرے ہیں باغباں نے کس کس بلا کے ہاتھ
رہ رہ گیا چنار بھی، اپنے بڑھا کے ہاتھ
پھیلے ہوئے ہیں باغ میں سوچ صبا کے ہاتھ
پیڑوں کے تھالے ہوگئے پھولوں کی ٹوکری

طارم کھلچا، تو عرش معلّیٰ سے بڑھ گیا
شمشاد اُٹھا، تو سدرہ و طوبیٰ سے بڑھ گیا
سبزہ چلا، تو خضر و مسیحا سے بڑھ گیا
سنبل بڑھا تو زلف چلیپا سے بڑھ گیا
ایک اک کو صحن باغ میں ہے کس قدر چڑی

حلقے میں پیل مست ہیں یوں جھومتے کھڑے
جیسے گھٹائیں آتی ہوں ساون میں جھوم کے
چنگھاڑیں ہاتھیوں کی، وہ مستی، وہ ولولے
بادل گرج رہے ہیں، بڑے زور شور سے
اللہ رے رعب، کانپتا ہے چرخ چنبری

سب پر نظر ہے ، عین عنایت ہے آنکھ میں
سرمے کے بدلے کحل مروت ہے آنکھ میں
پتلی سیاہ ، مہر محبت ہے آنکھ میں
تار نگاہ ، رشتۂ الفت ہے آنکھ میں
مد نظر ہے مردم دنیا کی برتری

تربھنگی چھند

ہے ابر پہ جوبن ، نکھرا گلشن ، اُتر دکھن ، کجلی بن
بجلی کی چمک ہے ، گل کی مہک ہے ، دل کی لپک ہے ، یہ ساون
موروں کی وہ کوکیں ، رند نہ چوکیں ، خون نہ تھوکیں ، دل ہو مگن
پھولوں پہ وہ بلبل سرو پہ صلصل ، عشقہ و سنبل دولہا دولہن

کوئل کی صدائیں ، تھلتی ہوائیں ، اودی گھٹائیں ، من بھائیں
وہ نور کی نہریں ، نہروں کی لہریں ، نظریں نہ ٹھہریں ، بہہ جائیں
بجلی کے جگر کو ، نور قمر کو ، موج گہر کو ، تڑپاؤں
سبزے کی لہک پر ، گل کی مہک پر ، حوریں فلک پر شرمائیں

آباد دُکاں ہے ، پیرمغاں ہے ، ایک سماں ہے ، ساماں ہے
رندوں کا چلن ہے ، شیشہ مگن ہے ، قہقہہ زن ہے خنداں ہے
مستوں کی وہ ہو حق ، غم نہیں مطلق ، جان سے مشفق جاناں ہے
گو مے نہیں باقی یہ مشتاقی ، کہتا ساقی : ہاں ہاں ہے

رفتار بلا ہے ، فتنہ بپا ہے ، غل یہ مچا ہے ، لہلہا ہے
واعظ کی خرابی ، مل کے کبابی آئے شرابی ، دنگا ہے
پگڑی جو سنبھالی ، بڑھ کے اُچھالی ، بجتی ہے تالی ، بھاگا ہے
ہتھ پھیری ہو رندو ، جو ہو وہ ہو ، پلچھ کا اب تو ڈورا ہے

رباعیات

جس روز ہم شمار اُٹھوں گا میں ، کیا قبر سے بیقرار ، اُٹھوں گا میں ؟
جب ''اُمتی ، اُمتی'' سنوں گا ، اے ''قدر'' ''احمد ، احمد !'' پکار اُٹھوں گا میں

مجنوں کا تمام شور ' کس نے دیکھا ؟ — فرہاد کا سارا زور ' کس نے دیکھا ؟
اے دل! جو تڑپ' تو اُن کے در پر چل کر؛ — ناچا جنگل میں مور ' کس نے دیکھا ؟

گھل گھل کے ہوا ہے جسم سارا ' مٹی — مٹی میں ملا نہ' اے خود آرا ' مٹی
کھدوا کے لحد تباہ و برباد نہ کر — تو اپنا ہت کا گھر نہ کر ہمارا ' مٹی

اللّٰہ پہ شاکر ہوں ؛ خدا اِس کا گواہ — دیتا ہے وہی رزق ' وہی عزت و جاہ
بندہ بندوں سے کیسا توقع رکھے؟ — لا حول و لا قوۃ اِلا باللّٰہ

اپنا مشرب ' نیا نکالا ہم نے ؛ — خرقہ ' جُبّہ ' اُتار ڈالا ہم نے
اے پیر مغاں' تجھی سے بیعت ہے ہمیں؛ — لے ' اب تو پیا ترا پیالا ہم نے

لازم کہ بشر بجز نکوئی نہ کرے — وہ بات کرے کہ شکوا کوئی نہ کرے
ہوتا نہیں اُستخواں زباں میں' اے "قدر"! — نکتہ یہ ہے کہ سخت گوئی نہ کرے

جوہر

مادھو رام "جوہر" لالہ جواہر مل ساہوکار کے بیٹے، فرخ آباد کے رہنے والے "مدیر" شکوہ آبادی کے شاگرد رشید، مستند اور قادرالکلام شاعر تھے۔ ایک دیوان یادگار ہے۔ اوائل چودھویں صدی ہجری میں وفات پائی۔

کلام دلچسپ، صاف اور شستہ ہے۔ بے تکلف لکھتے ہیں، معاملہ گوئی اِن کا خاص طرز ہے جو جدت سے خالی نہیں [۱]۔

غزلیات

جن نگاہوں سے لیا ہے دل شیدا میرا ڈھونڈتا ہے اُنھیں تیروں کو کلیجا میرا

مہ نو، ابروئے پُر خم، نگہ برگشتہ ہم نے تیڑھا جسے دیکھا اُسے خنجر جانا

آتی ہے اُس کے کوچے سے آواز دردِ ناک ہم ہوں کہ دل ہو، کوئی تو دونوں میں مرگیا

آہوں سے آگ لگا دیں گے دل دشمن میں چھپ کے رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لیا

کیا یاد کرکے روؤں کہ کیسا شباب تھا
کچھ بھی نہ تھا، ہوا تھی، کہانی تھی، خواب تھا

اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینا گلاب تھا

محمل نشیں جب آپ تھے لیلیٰ کے روپ میں
مجنوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا

پیری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہیں گے دن
وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا

تیرا قصور وار خدا کا گناہ گار
جو کچھ کہ تھا یہی دلِ خانہ خراب تھا

[۱]—خمخانۂ جاوید، ج ۲، ص ۲۹۷۔

ذرّہ سمجھ کے یوں نہ ملا مجھکو خاک میں
اے آسمان، میں بھی کبھی آفتاب تھا

کیا پوچھتا ہے حال، رہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بیمار رہ گیا

ٹھہری جو وصل کی تو ہوئی صبح، شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا
کیا جانے کس کے دھوکے سے لپٹا لیا مجھے
کہ دن میں تیرے جی کی: تو اس دم یہاں نہ تھا
کیونکر قسم پہ آج مجھے اعتبار آئے
کس دن خدا تمہارے مرے درمیاں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مزے پیری میں — قدرت اللہ کی، تھا وہ بھی زمانا کیسا؟
آخر اک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے — جامۂ زیست نیا اور پرانا کیسا؟

غیر کے دل کو مے عشق، سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے، منہ تک نہ کہیں بھر دینا
کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں پریزادوں کے:
خانہ برباد ہیں، رہنے کو کوئی گھر دینا
یار بندے ہیں محبت کے فقط اے ساقی،
شیشہ جس دل سے اسی آنکھ سے ساغر دینا
یہ بھی ہے ڈھنگ کوئی بادہ کشی کا، کیا خوب!
یہ کسی اور کو منہ پھیر کے ساغر دینا

کعبے کی تو کیا اصل ہے اس کوچے کے آگے؟ — جنت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا
دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا؟ — سنتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمہارا

اس نے پھر کر بھی نہ دیکھا، میں اسے دیکھا کیا
دے دیا دل راہ چلتے کو: یہ میں نے کیا کیا؟
دیر و مسجد پر نہیں موقوف کچھ، اے غافلو،
یار کو سجدے سے مطلب ہے، کہیں سجدا کیا

گل تو کیا خار وطن بھیجے نہ تحفے میں کبھی
دوستوں نے مجھسے غربت میں سلوک اچھا کیا

اے دل ناداں ، تجھے سمجھائے کوئی کس طرح ؟
تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا

راز اُلفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
بس چلا جب تک مرا ، منہ ڈھانپ کر رویا کیا

آتش گل سے مناسب ہے حذر ، اے بلبل ؛ ہاتھ رکھتا ہے کوئی ، جان کے ، انگاروں پر

تا صبح تیرے ہجر میں ہم کروٹیں بدلا کیے
رکّھا ہے تکیہ رات بھر گاہے اِدھر ، گاہے اُدھر

چار آنکھیں ہوتے ہی برچھی جگر پر چل گئی
بات کچھ منہ سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر

ہم سے چھپا کے آنکھ لڑاؤ گے تم کہاں؟ سب حال پوچھ لیں گے تمھاری نظر سے ہم
دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے تم کس نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم

وقت پر چپ رہیں ، معاذاللّٰہ ! کہنے والے کہیں ہزاروں میں

اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل
کیا زمانہ ہے ؟ کسی کا ، اے خدا ، کوئی نہیں

یہ واعظ کیسی بہکی بہکی باتیں ہم سے کرتے ہیں
کہیں چڑھ کر شراب عشق کے نشّے اُترتے ہیں
تکلّف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کہے دل کی
مزا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

دوشالہ ڈال کے لاشے پہ آتے ہیں منعم
ابھی نہیں گئیں اِن کی غرور کی باتیں

ڈھونڈ لیں گے جب کوئی تم سا تبھی چین آئے گا
ہم بھی اپنی فکر میں رہتے ہیں ، کچھ غافل نہیں

دو ہی دن میں یہ صنم ہوش ربا ہوتے ہیں
کل کے ترشے ہوئے بت آج خدا ہوتے ہیں

دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
یہ وہ کعبہ ہے کہ بت جس میں خدا ہوتے ہیں

للّٰہ اور بھی مے٭ گلگوں کے جام دے ساقی ابھی تو پیاس ہماری بجھی نہیں

ضعف میں مجھ کو اُٹھاتے ہیں وہ اپنے در سے
اے غم و یاس، پکڑیو مرے بازو دونوں

یہ جانتا ہوں، مگر کیا کروں طبیعت کو کہ مے حرام ہے، اے واعظو، حلال نہیں

کفر و دیں میں ہے خلش، برہمن و شیخ سے بچ
اِس دو راہے میں مسافر کو ہیں کھٹکے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں
اے محبت، بےبسی میں لوگ کیا کرتے نہیں؟

ہوگئے ہیں مضمحل پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز
آپ کے بیمار پرہیز غذا کرتے نہیں

اپنا دُپٹّا اُس نے دیا مجھ کو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

جس کو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گیا دیکھے ہیں ہم نے عشق کے بیمار سیکڑوں

آج ! اے مرگ ! کھلی ہستیِ موہوم کی اصل
کچھ سمجھتے تھے ہم اِس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

تصوّر زلف کا ہے اور میں ہوں بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں
بتُوں کو کیوں دیا یہ قد و قامت قیامت میں خدا ہے اور میں ہوں

اپنی کہیں کہ اِس دل خانہ خراب کی تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں
اپنی خودی مٹائیں تو پائیں رہ وصال کھوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں
پیر مغاں تو مست ہے آپ اپنے حال میں کس سے سوال شیشہ و جام و سبو کریں

دامن جدا ہے چاک، گریباں جدا ہے چاک　　کس کو سیئیں بتائیے، کس کو رفو کریں

بہکی بہکی ہوں اُس کی باتیں　　" ساقی ، ساقی " پکارتا ہو
اُجلی اُجلی سی چاندنی میں　　گورا گورا بدن کھلا ہو

نیند آنکھوں میں بھری ہے، کہاں رات بھر رہے ؟
کس کے نصیب تم نے جگائے ، کدھر رہے ؟
شب جیسی گزری دن بھی گزر جائیگا مرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

کیا بتائیں مزاج کیسا ہے　　ہم کہاں، دل کہاں، خدا جانے

یوں تو ملکہ دیکھ کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

جس کے پامال ہیں کھائیں گے اُسی کی ٹھوکر
کہہ دیا ہٹ کے چل ، او فتنۂ محشر ، ہم سے

کیا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ　　تا چند منتظر مری آنکھوں میں دم رہے

میرے ہوتے نگہ قہر رقیبوں کی طرف　　دیکھئے دیکھئے یہ قہر خطا ہوتا ہے

جان لے کر پھر جلایا تھا تو لازم تھا وصال
کیا خبر تھی مجھکو دم دے کر خفا ہو جائیں گے؟

خط لکھا یار نے رقیبوں کو　　زندگی نے دیا جواب مجھے

کامل

علی میاں "کامل" محمدآباد گہنا ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے' لکھنؤ میں قیام کرلیا تھا - اِن کا خاندان محمدآباد سیدواڑے میں بہت مشہور ہے - اور علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا - اِن کو خود اپنے کمال کا احساس تھا اور لکھنؤ کے شعرا اِن کے کمال کا اعتراف کرتے تھے - کلام کا مجموعہ اِن کے اعزا کے پاس محمدآباد میں محفوظ ہے -

"کامل" معمولی مضمون کو بندش کی خوبی اور ترکیب کی چستی سے بہت بلند کر دیتے ہیں' تازہ مضامین بھی پیدا کرتے ہیں -

غزلیات

خدا سے مانگ کر روزی' تنگ و دو کی اگر تونے'
خجل پائے طلب یا منفعل دست دعا ہوگا
جئیں گے خاک ہم' جب مرگیا دل رنج فرقت میں
وہ کشتی کیا بچےگی' غرق جس کا ناخدا ہوگا؟
فقیر اللہ کے' جائز نہیں رکھتے تکلف کو!
وہ دنیا دار ہوں گے جن کے گھر میں بوریا ہوگا
ہماری بندگی کی قدر اُس کو' اے بتو' ہوگی
ہمارے بعد جو در پر تمہارے جبہہ سا ہوگا

مدار کار ہے نخوت پسہ نکتہ دانوں کا: ہوا کے ہاتھ میں دامن ہے بادبانوں کا
عزیز زخم جگر اِس سبب سے ہے مجھکو' کہ یادگار ہے احباب کی زبانوں کا
مٹائے نقش قدم رہرووں نے خوب کیا' کہ ڈھونڈنا بھی تو مشکل تھا ناتوانوں کا
خزاں میں غم شب تیرہ کا بلبلیں نہ کریں چراغ بن کے جلے گا خس آشیانوں کا

ہمارے دل کو، شکار افگنو، ملال نہ دو — کہ تیر خوردہ ہے افلاک کی کمانوں کا

گھل کر صفت شمع فنا ہوگئے اعضا — تابوت کا محتاج ہوا میں نہ کفن کا
دنیا کی طمع کیوں نہ ہو انساں کو زیادہ — اِس چاہ کے انداز سے ہے طول، رسن کا

مدح سے کرتے ہیں جاہل کو ثنا خواں مغرور
بت کو سجدوں سے بناتے ہیں برہمن کیسا ؟
آشیاں ساتھ ہی لے کر ہے نکلنا بہتر
میں گراں، باغ کو جب ہوں تو نشیمن کیسا ؟

بلبل یہ رات دن کا چمن میں خروش کیا ؟
کچھ خیر ہے، کہیں گے تجھے اہل ہوش کیا ؟
کھولوں زباں کو شمع کے مانند بزم میں،
بیٹھوں چراغ کشتہ کی صورت، خموش کیا ؟
"کامل" کے سر میں روز ازل سے ہے سوز عشق ؛
رکھے گا سر کو وہ سر بالین ہوش کیا ؟

اظہار شوق کر نہ سکی گل سے عندلیب — گلچیں گیا تو باغ میں صیاد آگیا
اِک آسمان تازہ بناتی ہے اُڑ کے خاک — اِس کو بھی کیا سلیقۂ ایجاد آگیا
چمکی جواب میں "ارنی" کے جو برق طور — مجھ کو کسی کا چاند سا رخ یاد آگیا
کچھ دیر بے تمیزوں کے حلقے میں بیٹھ کر
"کامل" دھان گور مجھے یاد آگیا

ہجر میں بالیں پہ، اے دل، موت ہی آبیٹھتی
کوئی تو، میرے تڑپنے کا تماشا دیکھتا
اُن کی مرضی تھی کہ خوش ہوتا جلا کے دل کو میں
پھونکتا خود اپنے گھر کو، خود تماشا دیکھتا

خضر کے مانند خواہاں زندگانی کا نہیں ؛
اے اجل، تشنہ میں اِس دریا کے پانی کا نہیں
درد کو ہمراہ کیوں لاتا ہے دل میں وہ خدنگ؟
کیا سلیقہ خود اُسے راحت رسانی کا نہیں

سائے کے چھوٹ جانے سے رہرو ہیں کیوں ملول؟
کیا اُن کے ساتھ راہ میں نقش قدم نہیں ؟
جاکر نماز کعبے کے اندر پڑھی تو کیا ؟
طاعت ہماری مایۂ ناز حرم نہیں
روشن ہیں کیوں جنازے کے ہمراہ مشعلیں ؟
نا آشنائے راہ ہمارا قدم نہیں

حاجت کا عیب چھپ نہیں سکتا جہان میں
ساعد یہ وہ ہے جس کے لیے آستیں نہیں
میں کیوں کسی سے دبنے لگا، اے حریم دوست؟
کیا تیرے آستانے پہ میری جبیں نہیں ؟
"کامل" یہ رفتہ رفتہ بڑھائی ہے مشق صبر :
دل مرگیا ہے اور غم اندوہگیں نہیں

گھٹا کر بدر کو لایا ہے حالت میں مہ نو کی
بدل دیتا ہے دور چرخ ہیئت باکمالوں کی

لاش میری ہی جلائی اُس بت کافر کو تھی ؟
کشتۂ بیداد تھے آخر مسلماں اور بھی

میں ملاقات کو اُس کی جو حرم میں آیا
شیخ پہچانے گیا تا در میخانہ مجھے

یہ سمجھ لے: بزم میں، اے شمع، آتی ہے اگر؛
جلتے جلتے شام سے تجھ کو سحر ہو جائے گی
بند ہوتے ہی لحد، جلنے لگیں گے دل کے داغ
شام کے ہوتے ہی، اِس گھر میں سحر ہوجائے گی

آرام چاہتا ہے تو صحرا میں آ کے بیٹھ
دیبا خجل ہے نرمیِ فرش گیاہ سے
پیدا کیا ہے رخ کی محبت میں داغ دل
لایا ہوں یہ چراغ شبستان ماہ سے

نرگس کی آنکھ باغ میں اچھی تھی یا بری
"کامل" کسی کے عیب کی تو پردہ در نہ تھی

آدمی دیر میں یا خانۂ داور میں رہے
سر رہے دوست کے سجدے میں، کسی گھر میں رہے
پاکمالوں کو زمانے نے اُبھرنے نہ دیا
صورت آئنہ ڈوبے ہوئے جوہر میں رہے
چھپ ہوئے روکے تو کھینچیں شرر افشاں آہیں
ہم کبھی ابر کبھی برق کے پیکر میں رہے

آنکھوں کو بند کر تو دکھائی دے روے دوست
پوشیدہ آفتاب غبار نظر میں ہے

نہ دیدا اِس تصور کو جگہ اے دوست، خاطر میں
کہ تیرے ناوک بیداد میرے دل سے نکلیں گے
نگاہ لطف سے محروم رکھے گا، خوشی اُس کی
دعا دیتے ہوئے ساقی کو ہم محفل سے نکلیں گے

قطعہ

نام کا تیرے وظیفہ تھا زباں کو صبح و شام
مرحبا، اے دردِ اُلفت، عشق ہے تیرا ہی نام
غمکدے میں خاطر ناشاد کے تشریف رکھ
منزل دل کو مشرف کر باعزاز تمام
عشق وہ سرکار ہے جس کی زلیخا ہے کنیز
عشق وہ بازار ہے، جس میں ہے یوسف سا غلام
عشق ہے صبح ازل کا حکمران بندوبست
عشق ہے شام ابد کا رمزدان انتظام
عشق کے دریا کا اک قطرہ ہے، نہر سلسبیل
عشق کے صحرا کا اک گوشہ ہے، گلزار دوام
عشق ہے وہ نور، ہے اضداد میں جس کا ظہور
عشق ہے وہ ربط، جس سے ہے عناصر کا قوام

باغ میں ہے بوےگل اور دشت میں ہے نوک خار
سنگ کے دل میں شرر دریا میں ہے ماہی کا دام
سرنگوں خلوت میں ہے اور انجمن میں سرفراز
مدرسے میں ہے کتاب اور معرکے میں ہے حُسام

ذاکر

ذاکر علی ''ذاکر'' شاہپور ضلع فتحپور ہسوا کے رہنے والے آگرے کی کمشنری میں سررشتہ‌دار اور حاتم علی بیگ '' مہر '' کے شاگرد تھے - ۱۳۰۴ھ کے بعد وفات پائی - اِن کا دیوان جس کا تاریخی نام '' نغمۂ بہار '' (۱۳۰۳ھ) ہے مطبع بہار ہند ' آگرے میں ۱۳۰۴ھ میں چھپا - فارسی کا بھی ایک مختصر مجموعہ اِن سے یاد گار ہے -

'' ذاکر '' بڑے پُر گو شاعر تھے - کلام میں سادگی ' روانی اور صفائی کا عنصر کم ہے [۱] انداز بیان پاکیزہ ہے - اور تغزل میں '' ناسخ '' کا رنگ معلوم نہیں ہوتا بلکہ '' آتش '' کا گداز موجود ہے -

غزلیات

عیاں آئینۂ دل میں ہے جلوہ حسن جاناں کا
غبار اپنا ہے غازہ عارض خورشید تاباں کا

کچھ گلہ اُن کا نہ شکوا مجھ کو چرخ پیر کا
آپ میں قائل ہوں اپنی خوبیِ تقدیر کا

قسمت میں جو لکھّا ہے ملےگا وہی بیشک
یہ حصہ کسی بھشی کے قابل نہیں ہوتا

کعبۂ دل بت بیدیں جو ترا گھر ہوتا
کون پھر تیرے خدا گھنے سے باہر ہوتا

---

[۱]—خمخانۂ جاوید ص ۲۳۰ ' ج ۳ -

یوسف سے کہیں حسن جداگانہ ہے اُس کا
فرق اتنا ہے وہ شمع وہ پروانہ ہے اُس کا
لپٹا ہے بلائیں دل صد چاک ہمارا
اُلجھا ہوا بالوں میں کہاں شانہ ہے اُس کا

کیا تصور ہے تری انجمن آرائی کا !
بزم سے بڑھ کے ہے گوشہ مری تنہائی کا
جس طرف آنکھ اُٹھاؤں وہی آتا ہے نظر
حسن جاناں ہے مسخر مری بینائی کا

خانۂ دل ہے دم سرد سے ٹھنڈا کیسا
صورت یاد چلے آئیے پردا کیسا
جل مرے غیر جو تم آگ بجھانے آئے
ہم نے گھر پھونک کے دیکھا یہ تماشا کیسا

لیا گدائی میں صورت سے اپنی کار زباں
چھپا سکی نہ خموشی کبھی سوال اپنا

وہ بت مجھ سے ناحق خفا ہو گیا
خدا کی خدائی میں کیا ہو گیا
مجیب الدعا ہو گیا دستگیر
بلند اتنا دست دعا ہو گیا
کوئی دم میں بہ جائے گا ٹوٹ کر
دل درد مند آبلا ہو گیا
چھڑایا غم زندگی سے مجھے
مرض میرا مجھ کو دوا ہو گیا

دل میں باقی ہے ابھی دشت نوردی کی ہوس
پار تلووں سے نہ، اے خار بیاباں، ہونا

دے کے خط جان بھی دی، دل بھی دیا قاصد کو
ہم نے اُس آفت جاں کے لیے بھیجا کیا کیا

دشت غربت کے مزے یاد رہیں گے جب تک
رخ اُدھر اے کشش حب وطن کیا ہو گا

معاف کر دیے سارے گناہ روز شمار
خدا کو رحم جو آیا تو بے حساب آیا

نہ ہوئی آہوں سے کم، روشنیِ داغ جگر
گل کسی طرح چراغ اپنا ہوا سے نہ ہوا

یہ سجدہ کیوں سر جھکا ہے کسی کا ؟
وہ بت، توبہ توبہ، خدا ہے کسی کا

نہ چلا دب کے آسماں سے کبھی
میرے مشت غبار، کیا کہنا !

کس کے گھر کی میں راہ بھولا ہوں
ڈھونڈے ملتا نہیں جو گھر اپنا

ہم پری کہتے ہیں اُن کو، وہ ہمیں دیوانہ
ایک مدت سے یہ جھگڑا ہے ہمارا اُن کا

پہنچوں ابھی جو ترک رہ مدعا کروں　　اِس راہ سے ہے منزلِ مقصود دور کیا

کس درجہ پائمالی کی ہے آرزو مجھے　　افتادہ ہوں میں صورت تصویر نقش پا

ناتوانی سے مزا عشق کا حاصل نہ ہوا
میں ترے ناز اُٹھانے کے بھی قابل نہ ہوا

میخانے کا تو حضرت واعظ نہیں خیال ؟
مسجد میں ایسے بیٹھے ہیں کیوں بیخبر سے آپ ؟
جاگے نصیب طالع خفتہ شب وصال
سوئے نہ ساری رات جو بہم سحر سے آپ

کیا ہے پست زمانے نے اِس قدر مجھ کو
زمیں بلند ہے نظروں میں آسماں کی طرح

کیوں نہ ہوں صرف تواضع ' ہمہ تن جاں ہو کر ؟
آئی ہے میری اجل گھر مرے مہماں ہو کر

کہتے ہیں ناز سے وہ رکھ کے قدم مدفن پر
ہے مرے پانو کا احسان تری گردن پر

کیا سمجھ کر کوئی مرے تجھ پر　　نہیں جینے کا اعتبار' افسوس

کیا خاک ہو غمِ دل اندوہ گیں غلط　　لکھا نصیب کا بھی ہوا ہے کہیں غلط
دونوں جہاں میں تیرا بھلا ہو کہ' اے جنوں'　　تیرے ہی دم سے ہے غم دنیا و دیں غلط

جواب گریۂ شبنم ہے چشم تر میری　　تبسّم آپ کا ہے انتخاب خندۂ گل

اندوہ و درد و یاس و غم و حسرت و ملال
کیا کیا نہ ساتھ لے کے چلے اِس جہاں سے ہم
ویرانیِ چمن کا نہ صدمہ ہو ' یا نصیب !
مر جائیں کاش پہلے ہی فصل خزاں سے ہم
نظروں سے آج اُن کی یکایک اُتر گئے
رونے کا ہے محل کہ گرے آسماں سے ہم

صیاد کس کو اب ہے رہائی کی آرزو ؟
کنج قفس میں خوش ہیں کہیں آشیاں سے ہم

روز حساب پرسش اعمال کچھ نہ ہو ؛ یارب ' ترے کرم کے ہیں اُمیدوار ہم
خوف گناہ سے ہوگئی صورت ہی اور کچھ : کیا منہ دکھائیں گے تجھے پروردگار ہم ؟

اِس درجہ محو لطف قفس ہوں کہ اب مجھے
یہ بھی خبر نہیں ہے کہ تھا آشیاں کہاں

دیر و حرم کا ہم سے پتا پوچھتے ہو کیا
ہم مست ہیں خدا کے ' ہمیں کچھ خبر نہیں

اُن کا ہمجنس نہیں حسن کے بازاروں میں
ایک یوسف تھا ' سو وہ بھی ہے خریداروں میں

دھجیاں دامن صحرا کی اُڑا دیں گے ' جنوں !
اب یہی ٹھہری ہے ہم چاک گریبانوں میں

دیکھتا ہوں شان رحمت ایزد نگاہ میں
سو سو ثواب ہیں مرے اِک اِک گناہ میں

رہی بعد رہائی بھی اسیری کی ہوس مجھ کو
نہ بھولا آج تک ' صیاد ' آرام قفس مجھ کو

صبا کبھی جو سوے کوے یار چلتی ہے لیے ہوئے مرا مشت غبار چلتی ہے

تھمے نہ سوز محبت سے عمر بھر آنسو برنگ شمع رہے ہم جس انجمن میں رہے

شب بھر کا سارا جلوہ ہے پھر صبح کچھ نہیں
پروانو ' عمر شمع نہایت قلیل ہے

فرقت میں آئے موت تو یہ کہہ کے ٹالیں ہم اللہ سے ملیں گے نہ بے یار سے ہم

میں نے اے دیوانگی ' دیکھا نہیں دنیا میں کچھ :
آنکھ بھی خالق نے مجھ کو دی تو پتھرائی ہوئی

خواب میں محو تماشائے رخ یار رہے   شکر ہے عالم غفلت میں بھی ہشیار رہے

موت کا کس کے ترانے کے لیے پیغام ہے   عاشق جانباز ہیں مرنا ہمارا کام ہے

اسیری نے کیا ہے تنگ جاں سے   گلا گھٹنے لگا طوق گراں سے
خدائی کا ہے دعویٰ کس زباں سے   کوئی پوچھے بتاں بے دہاں سے
جیا تنہا مثال خضر تو کیا   میں درگذرا حیات جاوداں سے

یوں تو سب قائل تحریر مقدر ہیں، مگر
یہ بتا سکتا نہیں کوئی کہ لکّھا کیا ہے

موت میری شکل سے بیزار ہے   زندگی کی کیا ہو صورت، دیکھیے
کر گئے ہیں وعدۂ محشر وہ آج   کب ہو فردائے قیامت دیکھیے

تم کہے جاتے ہو، میں خاموش ہوں   میں کہوں تو بات کیا رہ جائے گی

اِک اِک سے پوچھتا ہے جو اِس انجمن میں ہے
فانوس میں ہے شمع، کہ وہ پیرہن میں ہے

صغیر

شاہ غلام حیدر [۱] ''صغیر'' لکھنؤ کے رہنے والے، شیخ دھومن کے بیٹے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے - پہلے ''ناسخ'' سے پھر ''رشک'' سے تلمذ رہا - ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ع) میں وفات پائی - اِن کا ایک مختصر دیوان ''یادگار صغیر'' جسے اِنھوں نے ۱۲۸۳ھ میں مرتب کر لیا تھا، اِن کی وفات کے بعد خان بہادر شیخ احمد حسین ''مذاق'' تعلقہ‌دار پریانواں نے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا [۲] -

کلام صاف، سادہ اور تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی ہے - تصوف کا رنگ غالب ہے -

مناجات

اے خدائے دو جہاں خالق اکبر تو ہے   آفریننده مہر و مہ و اختر تو ہے
تاج بخش سر ہر خسرو و قیصر تو ہے   سامع شور و فغانِ دل مضطر تو ہے

تیری تسبیح میں ہر شے ہے : وہ معبود ہے تو
جس نے ڈھونڈا تجھے جس جا وہیں موجود ہے تو

قوت باصرہ سب اہل نظر کو بخشی   آگ پتھر کو دی اور آب گہر کو بخشی
تیرگی شام کو تنویر سحر کو بخشی   منزلت علم کو توقیر ہنر کو بخشی

خاکساری میں شہنشہ کیا درویشوں کو
مرہم وصل دیا عشق کے دلریشوں کو

زندگانی کا اثر چشمۂ حیواں کو دیا   نور گرم آئینۂ مہر درخشاں کو دیا
جلوۂ سرد چراغ مہ تاباں کو دیا   جوہر عقل دماغ سر انساں کو دیا

اثر سعد دیا بال ہما کے پر کو
ہیرے مٹی کو دیے لعل دیے پتھر کو

---

[۱]—سخن شعرا میں حیدر علی نام لکھا ہے ۔ [۲]—یادگار صغیر (مطبع قومی لکھنؤ) ص ۱۵۷ و ۱۶۶ و ۱۶۹ و ۱۷۶ ۔

پارسائی مری بدتر ہے گنہگاری سے غفلت خفتہ ہے بہتر مری بیداری سے
خوب ہے خندۂ میخوار مری زاری سے آگہی ہے تجھے اخلاص و ریاکاری سے
کس گنہگار کے عصیاں تجھے معلوم نہیں
پر ترے رحم سے خاطی کوئی محروم نہیں

نعت

تن خاکی اگر برباد ہو جائے تو ہو جائے حریم جسم بے بنیاد ہو جائے تو ہو جائے
تمام اس عمر کی میعاد ہو جائے تو ہو جائے دل اپنا شاد یا ناشاد ہو جائے تو ہو جائے
نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پیمبر کا
پیوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا
تصور ہے رسول اللہ کا آٹھوں پہر مجھ کو وہی نور خدا ہر وقت آتا ہے نظر مجھکو
جمال پاک الفت نے دکھایا عمر بھر مجھکو یہی ورد زباں ہے رات دن شام و سحر مجھکو
نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پیمبر کا
پیوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا

منقبت

خالق نے دی تو تیغ شجاعت انہیں کو دی
حاتم سے بھی زیادہ سخاوت انہیں کو دی
گو اولیا بہت تھے ولایت انہیں کو دی
سب کچھ جو دے چکا تو شہادت انہیں کو دی
ان پر خدا نے مرتبوں کا خاتمہ کیا
طرفہ یہ ہے کہ زوج پے فاطمہ کیا
شیر خدا علی ہیں یداللہ ہیں علی
شاہان دو جہاں میں شہنشاہ ہیں علی
راز خدائے پاک سے آگاہ ہیں علی
مثل نبی مقرب درگاہ ہیں علی
ذات رسول پاک تو ہے رہنمائی کو
شیر خدا ہیں خلق کی مشکلکشائی کو

خمسۂ نعتیہ

ابر رحمت کی صفت میں ہے مجھے تشنہ لبی
کون سی بات کہوں وہ کہ نہ ہو بے ادبی
خوب مضمون بتایا ، رہے اعجاز نبی :
مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

غزلیات

خدا نہ دے کسی دشمن کو رنج تنہائی ‖ ہزار شکر کہ دل غم سے داغدار ہوا

مستیٔ ساغر مے ہوتی اگر ، اے ساقی ، ‖ عہد پیری کو میں ایام جوانی کہتا

کس طرح دل کو کلیجے سے لگائے نہ رہوں
یہ وہ آئینہ ہے جس میں رخ جاناں دیکھا

جذب باطن سے مرے گھر وہ گل اندام آیا ‖ آج میرا دل بیتاب بہت کام آیا

قالب بے روح کو وہ بے قراری اب نہیں
جان شاید اُس پریرو پر فدا ہوی میں نہ تھا

جذبۂ دل نے مٹایا صدمۂ کنج قفس ‖ بوے گل آئی پۓ تسکین جان عندلیب

پیام یار کہاں کا ، جواب خط کیسا ؟ ‖ مجھے ملی نہیں مدت سے نامہ برکی خبر
تڑپ تڑپ کے لگاتا ہوں ٹکّریں در پر ‖ نہ درد دل کی خبر ہے نہ درد سر کی خبر
بتوں کی بے خبری سے تمام ہو جاتے ‖ اگر خدا کو نہ ہوتی دل بشر کی خبر

دل دے چکے تھے آپ کو اب مر کے جان دی
وہ ابتدائے عشق تھی یہ انتہائے عشق

قیس یہ دیکھتا تھا ناقۂ لیلیٰ کی طرف ‖ کہ اُڑائے گی ہوا پردۂ محمل کب تک

جور و جفائے یار سے شکوا نہیں ہمیں ‖ اپنے کیے کی آپ سزا کچھ تو پائے دل

تمہارے ظلم و ستم لکھ رہا ہوں گن گن کو ‖ مرا حساب ہے روز شمار کے قابل

فراغت ہو گئی ہے ' اے جنوں' چاک گریباں سے
نہ ہو بیتاب صحرا کا بھی دامن دیکھ لیتے ہیں

دونوں ہیں ایک ' نقل کو دیکھوں کہ اصل کو
آئینہ اُس سے ہو جو مقابل تو کیا کروں

گو کہ جنّت میں ہوں طوبیٰ کے تلے　　پر ترا سایۂ دیوار کہاں ؟

رہتی ہے بیخبری مجھ کو جہاں رہتا ہوں
ہجر میں یہ نہیں معلوم کہاں رہتا ہوں

دوستو ' حال دل زار کہوں کیا اپنا ؟　　پوچھتے ہو وہی جو بات بتانے کی نہیں

اشکوں سے جو سینچا تو پھلا نخل تمنا　　محنت نہیں ہوتی کبھی برباد کسی کی

بیتاب ہوں میں وصل میں فرقت سے زیادہ　　انداز ہیں دنیا سے نرالے مرے دل کے

ایک دن داغ اے مہ کامل دکھائیں گے تجھے
چاک کر ڈالیں گے سینہ دل دکھائیں گے تجھے
دیکھیں گے حیرت ہماری لوگ خود بھولی تری
آج آئینہ سر محفل دکھائیں گے تجھے

کس کی صورت ورق دل پر اُتر آئی ہے
وہی آنکھوں میں ہے پتلی وہی بینائی ہے

قسمت کے لکھے کو کیا کروں میں　　نامہ تو ہے نامہ بر نہیں ہے

قصیدہ

واجد علی شاہ کی مدح میں

شہ گردوں نشیں' قطب زمیں' مہر جہانبانی
سلیمان زماں ' سلطان عالم ' ظل سبحانی
فریدوں سلطنت' جمشید فر' نوشیرواں نصفت
سکندر بارگہ ' دارا حشم ' کیخسرو ثانی
بیان حسن سیرت یا بیان حسن صورت ہو
سخاے حاتم طائی ' لقاے ماہ کنعانی

جمال شاہ کا ہندوستاں سے قاف تک غل ہے
حسینان جہاں خود رفتہ ہیں پریاں ہیں دیوانی
اگر تصویر کھینچی جائے اِس روے منوّر کی
شعاع مہر ہو ایک ایک موے خامۂ مانی
فروغ چہرۂ یوسف مرقع سے نظر آئے
مثال دیدۂ یعقوب اندھیرا گھر ہو نورانی
جلائے شمع رخ ' پروانۂ ہوش پری رویاں
ہوائے رعب سے گُل ہو چراغ عقل انسانی
ہوا سے بے سبب جنبش میں کب ہے دامن رایت
ہمائے فتح ہے شہپر سے مصروف مگسرانی

مسدس

کیا بے ثبات گردش لیل و نہار ہے — دن کو نہ ہے قرار ' نہ شب کو قرار ہے
شام بقا سے صبح فنا ہمکنار ہے — مضمون بانگ مرغ سحر آشکار ہے
غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے
اب چونک پچھلی رات کا کیا اعتبار ہے
سرو رواں میں زور روانی کہاں رہا — اگلا سا لطف سحر بیانی کہاں رہا
سر چشمۂ حیات میں پانی کہاں رہا — پیری میں خواب عہد جوانی کہاں رہا
غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے
اب چونک پچھلی رات کا کیا اعتبار ہے

رباعی

کیونکر کہوں خوشگوئی کی خو مجھ میں ہے
میں تجھ میں ہوں اے حسن جو تو مجھ میں ہے
خوبی ہے تو دعوے سے زباں بند رہے
گل یہ نہیں کہتا ہے کہ بو مجھ میں ہے

مرثیہ

کیا مجلس حسین علیہ السلام ہے — تسبیح سلک اشک ہے ذکر امام ہے

اِس انجمن کا فرش بھی عرشِ احترام ہے　　منبر یہ طور ، ذاکر موسیٰ کلام ہے
فانوس ، رشکِ لالۂ باغِ خلیل ہے
پنکھا نہیں علم میں پر جبرئیل ہے
یہ بزم ہے وہ باغ کہ بلبل ثواب ہے　　موتی ہے آب اشک ، پسینا گلاب ہے
شرمندہ داغ دل سے گلِ آفتاب ہے　　سادات مومنین کی صفت بےحساب ہے
جو بزم تعزیت میں ہے وہ حق پسند ہے
مثلِ علم ہر ایک کا رتبہ بلند ہے

پیراہنِ سخن ہے پۓ قامتِ زباں　　اِس پیرہن کی جیب میں ہے گوہرِ زباں
ذاکر بھی ہے زبانِ بیاں سے گہر فشاں　　منبر ہے لا مکانِ تعلّی کو نردباں
مانند مہر و ماہ مضامین بلند ہیں
اِس مرثیے میں خلعتِ قدرت کے بند ہیں

قطعہ

تہنیت انیس الدولہ بہادر

مبارک ہو اُنھی عید کا دن　　زیادہ ہر برس ہو شادمانی
قیامِ عہد دولت عمر بھر ہو　　رہے ہر دم خدا کی مہربانی
برنگِ نشۂ صہباۓ دیریں　　ضعیفی تک رہے جوشِ جوانی
ضیا بخشِ جہاں ہو نیّرِ بخت　　مثالِ نورِ مہرِ آسمانی

تاریخ مسجد شیخ عالم

زندگی ہے یہاں کوئی دم کی　　برگِ گل پر ہے بوند شبنم کی
نام عالم میں رہ گیا ہے "صغیر"　　یہی مسجد ہے شیخ عالم کی
۱۲۲۸ ھ

تاریخ شادی شاہ مہدی عطا

بہت دن سے تھی آمدِ کتخدائی　　شبِ عقد آئی ، تمنا بر آئی
بٹے اِس قدر بیاہ میں خوانِ نعمت　　گدا سے چھٹی بانوے بھلوائی
براتی ہیں سب اولیاء و مشائخ　　رہے پاکبازی رہے پارسائی
ہوئی شادیانے سے آواز پیدا　　ہوئے ہاتھ مہدی عطا کے حنائی

اماموں سے بارہ ملے سیکڑے جب　　تو نو قادروں سے ملی نو دہائی
ہزار و دو صد ہوں فراہم نود میں　　عیاں خمسۂ چست سے ہے اِکائی
۱۱۹۵ ھ
وہ تاریخ ہجری ہے یہ سال فصلی　　ہمایوں ہمایوں ہو یہ کتخدائی
۱۲۸۵ ف

هجر

تربهون ناتھ " هجر " پنڈت بشمبهر ناتھ " صابر " کے بیٹے ۱۸۵۳ع (۱۲۷۰ھ) میں فیض‌آباد کی تحصیل چلیا میں پیدا هوئے - مکتب میں اُردو اور فارسی کی تحصیل کے بعد کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے تک انگریزی پڑھی - "قدر" بلگرامی سے مشورۂ سخن کرتے تھے - طالب علمی هی کے زمانے سے ' اودھ پنچ ' اور اور اخباروں میں مضامین لکھا کرتے تھے - ۱۸۹۲ع (۱۳۱۰ھ) میں وفات پائی -

"هجر" بڑے بذلہ سنج شاعر اور نثار تھے - کلام سے سلاست اور روانی کے علاوہ ' طبیعت کی شوخی اور چلبلا پن نمایاں هے [۱] -

' اودھ پنچ ' کا نیا سال

بہار آئی هے' پھولے چمن' شجر هیں نہال
هرے هیں سبزے سے جنگل' گلوں سے گلشن لال
چمن کو پھول مبارک هو ' پھول کو خوشبو
اودھ کو 'پنچ' ' 'اودھ پنچ' کو یہ دوسرا سال
بروب کعبہ نرالی هے سج نرالی دھج
خدا گواہ ' نیا سکّہ هے نئی ٹکسال
یہ بول چال جدا هے یہ چال ڈھال جدا
جدا سخن کی روش هے جدا یہ طرز مقال
هیں لوگ جھومتے یوں قول و قال پر اِس کے
کہ جس طرح کسی صوفی کو آئے بزم میں حال

---

[۱]—بہار گلشن کشمیر ج ۲ ' ص ۵۷۸ -

معاندین نے پٹکا بہت سر اِس کے لیے
مگر تراش خراش اِس کی پائیں تھا یہ محال
کہاں یہ فوق سما اور کہاں وہ تحت ثریٰ
کجا براق نبی اور کجا خر دجّال
ہے ابتدا ہی میں اِس کے بس انتہا کا مزا
خدا کی شان مہ نو میں حسن بدر کمال

بادۂ احمر لا دے ساقی
نشا جمادے دام نہ مانگ
چار جو پائے آٹھ اُڑائے
جام پہ جام پلائے جا
مانگے تو کہدیں صاف 'نہیں' ہم
من میں دھیرج رکھنا ساقی
باتوں کا تیری خرچ بڑا ہے
روم و روس لڑایا ہم نے
دیکھے سب نے قلم کے جوبن
حال دکن کا سارا چھاپا
شام اودھ کا رنگ جمایا
'پنچ' سے ملک کو پاٹا ہم نے
ہاں' مے رنگیں' ساقی لانا
تشنہ لبی سے رند ہیں ترسے
سرخ شراب اور اودی گھٹائیں
گڑ گڑ بادل' پڑ پڑ بوندیں
جھوم کے آئے ابر بہاری
کیسا نکھرا سارا گلشن
غنچے چٹکیں لے کے بلائیں
دل ہو شگفتہ چمن ہو ہرجا

اب تو پھول پلا دے ساقی
پاس نہیں ہے بھونی بھانگ
خالی ہاتھوں گھر کو آئے
دام کا ذکر نہ لائے جا
مسرف ہیں' صراف نہیں ہم
'پنچ' کے دام بھی ہیں کچھ باقی
رندوں سے اب کے پالا پڑا ہے
ریچھ کا ناچ نچایا ہم نے
بجلی چمکی اُتر' دکھن
کابل پر بھی مارا چھاپا
توڑ بتایا' جوڑ بتایا
سال مزے میں کاٹا ہم نے
سال بھرے کی باقی لانا
اُبلے مٹکا' ٹھنڈا برسے
گرم پیالا ٹھنڈی ہوائیں
خاک پہ برسیں جوڑ جوڑ بوندیں
باغ پہ برسے باری باری
نہر بھری ہے گردن گردن
مانگیں زباں سے برگ دعائیں
خوش رہیں یارب راجا پرجا

جام جہاں نما

رندوں سے کہاں چھپے گا ساقی — پر سال کی مے ابھی ہے باقی
بھر دے جام شراب ، جلدی — آمد آمد ہے سالِ نو کی
کچھ فکر نہ کر تو اُس کی ، اِس کی — کس کی رہی اور رہے گی کس کی
مجھکو مے بہشتی پلا دے — اپنے ہی گروہ میں ملا دے

مرغان چمن کا چہچہانا — سبزے کا ہوا سے لہلہانا
ہر سرو پہ قمریوں کی پرواز — پیاری حق سرہ کی آواز
ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے — گلدستے چنے ہوئے گلوں کے
وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار — آنکھوں میں سما گیا بس اِکبار
ہر مرغ چمن چہک رہا تھا — سارا جنگل مہک رہا تھا
پھسلن تھی روش پہ اِس بلا کی — پھرتی تھی نسیم لڑکھڑاتی
شبنم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا — منہ غنچوں کا موتیوں سے پُر تھا
اِک ناز سے نہریں گھومتی تھیں — ہر پائے شجر کو چومتی تھیں

لسان الغیب کشمیر

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے — زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے — خبردار او بیخبر سونے والے

گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

ترے ساتھ کیا قوم نے کی برائی — جو گمنام فہرست ہر جا گھمائی
یہ کیا تفرقہ ڈالنے کی سمائی — چھٹے باپ سے بیٹے بھائی سے بھائی

بھلا مقتضائے ریاست یہی ہے ؟
شرافت یہی ہے ، نجابت یہی ہے ؟

تری قوم کو اِس عداوت نے کھویا — جہالت نے کھویا ، حماقت نے کھویا
بنا گھر ترا تیری عادت . نے کھویا — تجھے فخر بیجا کی شامت نے کھویا

وہ حالت ہے جس کا سدھرنا ہے مشکل
تہِ آب سے اب اُبھرنا ہے مشکل

مری قوم کے پیارے کشمیری بھائی یہ ہٹ دھرمی کیوں اِتنی دل میں سمائی
گھٹا خوف کی کیوں ہے آنکھوں پہ چھائی سمجھ بوجھ کر کیوں ہے بے اعتنائی
زرا دل میں سوچو تو للّٰہ صاحب
ہے ظاہر میں کچھ 'دل میں کچھ 'واہ صاحب !

یہ غالب ہوئی دنیوی تم پہ عبرت کہ دنیا کو عقبیٰ پہ دی تم نے سبقت
بڑھی ایسی تخفیف بیجا کی عزت گھٹائی نگاہوں سے ایماں کی وقعت
نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمہارا
مبارک تمہیں دھریا پن تمہارا

ارے جوش قومی ' کہاں ہے کدھر ہے؟ یہ کیا ہو رہا ' دیکھ ' شام و سحر ہے
کبھی تیری اِنصاف پر بھی نظر ہے ؟ تری قوم کی ' دیکھ ' حالت بتر ہے
جو مفلوک ہیں یا کہ ہیں صاحب زر
نگاہوں میں تیری تو ہیں سب برابر

بڑھی اِس قدر " ہجر " نا اتفاقی گئی چھوٹ آپس کی سب خوش مذاقی
محبت کی بو تک رہی اب نہ باقی نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی
پھنسی قوم ہے ظلمت ما و من میں
ترقی کا چاند آ گیا ہے گہن میں

رشوت

ایماں کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت چھیدے جو جگر عدل کا وہ تیر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت ظالم بھی ہو قابو میں وہ تسخیر ہے رشوت
رشوت ہی وہ ڈائن ہے کہ جادو نہیں جس کا
رشوت ہی وہ ناگن ہے کہ منتر نہیں جس کا
رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام ڈبویا رشوت ہی نے تحقیر کا یہ تخم ہے بویا
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گیا کھویا رشوت ہی سے حکّام ہمارے ہوئے جویا
بے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بھنور میں
راشی غضب قہر خدا سے نہیں ڈرتے افسوس' عدالت کی سزا سے نہیں ڈرتے

اللّٰہ رے ستم ! جور و جفا سے نہیں ڈرتے　　صد حیف ! غریبوں کی بکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں
اللّٰہ سے کچھ کام نہیں ' بندۂ زر ہیں

حالت پہ غریبوں کی چلا آتا ہے رونا　　آرام سے گھر جن کو میسر نہیں سونا
رشوت کے لیے بیچتے پھرتے ہیں بچھونا　　برباد اِسی طور بدا ہے اِنہیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہیں ' کچھ کہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دیے رہ نہیں سکتے

سائل تن تنہا ہے ' ستمگار ہزاروں　　در اصل انار ایک ہے ' بیمار ہزاروں
اِک جان کی خاطر ہیں طلبگار ہزاروں　　اِک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں
پھر کس سے اِس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کیوں کر نہ بھلا روپیا برباد کرے وہ

چپراسی بھی بے نذر ٹھہرنے نہیں دیتے　　اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پیدل کو کہیں پانو بھی دھرنے نہیں دیتے　　حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے
ملتی نہیں مہلت کوئی دم اِن کے ستم سے
ڈاکو کی طرح لوٹتے ہیں روپیا ہم سے

حیرت

محمد جان خاں "حیرت" بایزید خاں [۱] کے بیٹے الہ آباد کے رہنے والے، مرزا اعظم علی "اعظم" کے شاگرد تھے - اِن کے دادا جہانگیر خاں فوج میں رسالدار تھے - ۱۲۹٦ ھ میں دیوان شائع کیا - پھر ۱۳۱۰ ھ میں اپنا کلیات چھپوایا [۲] -

کلام میں گداز ہے، خصوصاً تغزل کا رنگ زیادہ دلپذیر ہے، اکثر بلند پایہ مضامین بیساختگی سے کہہ جاتے ہیں، جس سے مشاق اور سخن سنج ہونے کا ثبوت ملتا ہے -

غزلیات

سر ڈال کے جب پردۂ توحید میں جھانکا — ہر جز میں ہر اک کل میں تو ہی تو نظر آیا

ٹوٹے نہ سہارا مری چشم نگراں کا — ہوں منتظرِ رحم دکھا شان رحیمی

یہ چرخ کینہ پرور مجھ سے ٹیڑھی چال چلتا ہے
الٰہی مجھ کو صدمہ ہو نہ اِس کی کج ادائی کا
عجب کیا وہ نگاہ پاک سے اِس کی طرف دیکھیں
کہ میرا دل تو آئینہ ہے اُن کی خود نمائی کا

گیا غل عرش اعظم پر جو حضرت کی سواری کا
ملک بولے یہ رتبہ ہے بشر کی خاکساری کا
اُتارو عکس روے یار اپنے شیشۂ دل میں
سلیقہ ہے اگر "حیرت" تمہیں آئینہ داری کا

---

[۱]—سخن شعرا میں باز خاں نام لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے - ملاحظہ ہو خاتمۂ کلیات حیرت -

[۲]—صاحب خمخانۂ جاوید نے وفات ۱۸۷۵ء کے قریب بتلائی ہے لیکن کلیات حیرت کے تاریخی قطعے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء) تک وہ زندہ تھے -

اُمیدِ رحم نے دنیا میں رکھ لیا مجھکو — جودل میں یہ بھی نہ ہوتی تو میں کہاں ہوتا

مہر و وفا و عیش و طرب کی تلاش میں
رنج و ملال مجھ کو ملا میں جہاں گیا
اپنا ہی حال تک نہ کھلا مجھ کو تا بمرگ
میں کون ہوں ، کہاں سے چلا تھا ، کہاں گیا
آئے سمجھ میں جب نہ یہاں کے تغیرات
نیرنگساز تم ہو ، تمھیں پر گماں گیا
وہم و خیال و خواب ہے دنیائے بے ثبات
جب تم گئے جہان سے ، تم سے جہاں گیا

شاباش تیری دست درازی کو اے جنوں ، — دامن کا چاک تا بہ گریباں نکل گیا
سن لیجیو ، جنوں ، کہ تری آبرو نہیں — فصل بہار میں جو کہیں دل سنبھل گیا

میں دیکھ لوں گا خانۂ دل ہی میں جب تمھیں
تم بھی کہو گے : ہاں ، کوئی اہل نظر ملا
گذری تمام عمر اُسی کے بیان میں
افسانۂ فراق بھی کیا مختصر ملا
کنج مزار روح کو کیسا مفت مل گیا
جب قصر تن اُجاڑ دیا تب یہ گھر ملا
روزِ ازل ملے ہمیں تیور بجھے ہوئے
دل بھی ملا تو صورت شمع سحر ملا

وہی ہوتا ہے جو کچھ ہوتی ہے مرضی اُن کی
میں نے جو قصد کیا دل میں ، وہ باطل ٹھہرا
کھینچتی ہے مجھے اب سوے عدم حب وطن
مجھ کو دنیا میں نہ تو ، اے مری مشکل ، ٹھہرا

یہ عکس ہے تمھارے رخ بے نقاب کا — یا آئنے میں پھول کھلا ہے گلاب کا
جاگا ہے مدتوں کا یہ سوئے گا دیر تک — موقع ملا نصیب کو پیری میں خواب کا
بیتابیوں کو سمجھے ہیں بیداریاں بشر — کہتے ہیں جسکو موت وہ عالم ہے خواب کا

کون بدنام ہوا لوگ کسے ہنستے ہیں ۔۔۔ آپ سمجھیں تو نتیجہ مری رسوائی کا
گر مرا جذب دلی اپنا اثر دکھلائے ۔۔۔ فاتحہ تم بھی پڑھو صبر و شکیبائی کا

وحشت زدوں سے لطف جنوں کچھ نہ پوچھئے ۔۔۔ ہم کیا کہیں کہ ہوتا ہے دیوانے پن میں کیا
آنکھوں نے آپ کی تہ و بالا کیا جہاں ۔۔۔ ہوتا ہے اور گردش چرخ کہن میں کیا

روز فرقت تو کسی طرح سے مر مر کے کٹا
دیکھیں اب ہم کو دکھائے شب ہجراں کیا کیا

پیمانۂ دل عشق سے بھر جائے تو اچھا ۔۔۔ ہر پھر کے یہ مرکز پہ ٹھہر جائے تو اچھا
جس نے مجھے دنیا کے تماشوں کو دکھایا ۔۔۔ اب اُس کی طرف میری نظر جائے تو اچھا
بو اُس گل رعنا کی مجھے کون سنگھائے ۔۔۔ اے باد صبا ! تو ہی اُدھر جائے تو اچھا
روتا ہوا آتا ہے خرابات جہاں میں ۔۔۔ ہنستا ہوا دنیا سے بشر جائے تو اچھا

سرشار مے عشق پہ ہوتے ہیں اشارے ۔۔۔ لبریز ہے اب عمر سے پیمانہ کسی کا
بےچین کیے دیتی ہے باطن کی محبت ۔۔۔ ناحق کوئی ہوتا نہیں دیوانہ کسی کا

شریک روح ہے قالب میں آپکی اُلفت ۔۔۔ یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا
سموم عشق سے یارب بچائیو دل کو ۔۔۔ چراغ عمر ہوا گل تو جل نہیں سکتا

نہیں سنتا کبھی شیون کسی کا ۔۔۔ اِلٰہی دل نہ ہو دشمن کسی کا

بڑا پھندا ہے زلف مشکبو کا ۔۔۔ پڑا اِس میں اگر کوئی تو چُوکا

کون جی دیتا ہے ! دل کون فدا کرتا ہے ؟ ۔۔۔ حوصلہ دیکھیے آج اپنے خریداروں کا

تم نے روش تیغ جو سکھلائی نظر کو ۔۔۔ ہم نے دل سرکش سے لیا کام سپر کا

یہ جھگڑے مذہب و ملت ہیں سب دنیا کے جھگڑے ہیں
زرا سمجھو تو خالق کون ہے شیخ و برہمن کا

واں تو بیکار ہیں سب عقل و خرد ہوش و حواس
کوچۂ عشق میں ہے کون نگہباں کس کا

جس دن سے تمہیں دیکھ لیا پھر گیا مجھ سے ۔۔۔ میرا نہیں ' اب ہے یہ دل زار تمہارا

تیغ نگہ ناز کا مارا نہیں بچتا   اِس گھاٹ جسے تم نے اُتارا نہیں بچتا
کیونکر نہ کریں آپ کی ہم دل سے اِطاعت   ہے اِس کے تو ایماں ہمارا نہیں بچتا

آپ کے عشق میں ہیں زندگی و موت خراب
ہم نے دونوں کو بہم دست و گریباں دیکھا
جب کہا آپ کے جانباز کہاں رہتے ہیں
چشم حسرت سے سوے گور غریباں دیکھا

بوالہوس عاشق جو ہیں اُن سے کسی دن پوچھیے
کس کا کس کا موسم گل میں گریباں چاک تھا

سنتے ہیں کہ بچتا نہیں مشتاق تمھارا   جو کچھ ہو مگر ترکِ وفا ہو نہیں سکتا

ہر شب دکھاتا پھرتا ہے شرمندگی کا داغ
جب سے تمھارے بام کی جانب قمر گیا
کہتے ہیں اُس کو زندۂ جاوید اہل دل
جو آکے آپ کے در دولت پہ مر گیا

"حسرت،" دم فنا بھی زباں پر ہو اُن کا نام
نکلے قفس سے طائر جاں بولتا ہوا

سنا خنجر بکف قاتل کھڑا ہے آج مقتل میں
چلیں جانباز، اب موقع ہے قسمت آزمائی کا
زباں سے ہم نہیں کہتے مگر کانوں سے سنتے ہیں
وفاداروں میں چرچا ہے تمھاری بیوفائی کا

تم زرا چشم عنایت سے اِشارہ تو کرو   لاکھوں ہوجائیں گے شرمندۂ احساں پیدا
اب ترے ظلم کی فریاد اُسی سے ہوگی   تجھ کو جس نے کیا اے فتنۂ دوراں پیدا

فرمائیے تو آپ کی الفت کسے نہیں   اک میں ٹھہر گیا جو گنہگار، کیا سبب

کہتے ہیں ترے عشق نے رسوا کیا ہم کو   کیا خوب نکالی مرے الزام کی صورت

سوتا ہے اِک جہاں، تصور میں آپ کے   میں لوٹتا ہوں اور مرا دل تمام رات

یاں تک کہا دیوانۂ کہ ہلنے لگی زنجیر — اب آگے کہیں پانو نہ پھیلائے محبت

کیونکر بکھر نہ جائے ہر اک اسکی پنکھڑی — غنچے کے لگ گئی ہے نسیم سحر کی چوٹ

چشم جاناں میں ہم حقیر ہوئے — دیدۂ انتظار کے باعث

ہو رہا ہے حلقۂ زنجیر، ماتم خانہ آج — قید ہستی سے چھٹا شاید کوئی دیوانہ آج

پہنچی ہے باب اِجابت تک دعاے میکشاں
مژدہ، اے ساقی، گھٹا آئی سوے میخانہ آج

حال پرسی کو مری آیا جو وہ آفت جاں — رعب نے دے دیے تالے لب اظہار میں آج

خواب و خیال گلشن ہستی ہے، غافلو — یاں کی خزاں بھی ہیچ، یہاں کی بہار ہیچ

نہ نیند آئے گی مجھ کو نہ موت آئے گی
بتائیے تو شب ہجر میں گذر کی طرح

ڈھونڈتا ہوں میں نہیں لگتا کہیں اُس کا پتا
کیا تمہاری آنکھ کے پردوں میں چھپ جاتی ہے نیند

سرکشی نالۂ خاموش کی دیکھو تو ذرا — بعد مرنے کے بھی اُٹھتا ہے بگولا ہو کر

کریں وہ سختیاں ہم پر جہاں تک اُن کا جی چاہے
رہیں گے ہم اُنہیں کے در پہ سنگ آستاں ہو کر
جہاں سے چل بسے کیا کیا ہمارے قافلے والے
ہمیں پیچھے رہے افسوس گرد کارواں ہو کر

ساقی مجھے جام مے وحدت نہ پلایا، میخانہ بنا کر
کیوں چشم فسوں ساز کی گردش سے پھرایا، پیمانہ بنا کر

آمد و شد سے نفس کی یہ کھلا راز مجھے
کہ مرے دل کی خبر جاتی ہے سرکار کے پاس
جانبری کی مری اب شکل یہی ہے مولا
کہ ترا رحم ہی آ جائے گنہگار کے پاس

مجرم عشق جس کو لوگ کہیں   اُس گنہگار کا خدا حافظ

وہ بھی بہار دیکھ کے حیران ہو گئے   اہل ارم کو جاکے جو ہم نے دکھائے داغ

شمع رو جب تک نہ آئے حسن محفل ہے چراغ
جب وہ آ بیٹھے تو پھر تحصیل حاصل ہے چراغ
جس پہ جلتے ہیں پتنگے اُس کی لو تم سے لگی
صورت پروانہ دل سوزی میں کامل ہے چراغ

کب تلک تشنۂ دیدار رہوں میں ' یا رب!
مجھ کو پہنچا دے مرے ساقیِ کوثر کی طرف

غوطے کھاتا ہوں ابھی تو بحر غم میں آپ کے
دیکھوں کب لے جاتی ہے تقدیر ساحل کی طرف

وحشیو ' مژدہ علامت ہے بہار آنے کی   خود بخود ہاتھ لپکتا ہے گریباں کی طرف

میں ہوں کہ نہ ہوں اور کسی کام کے لائق   ہو جائے زباں میری ترے نام کے لائق

کہتے ہیں جس کو رام اُسی کو رحیم بھی
اپنی سمجھ میں کچھ نہیں دیر و حرم میں فرق
تقدیر کا لکھا کبھی " حیرت " مٹا نہیں
ہوتا نہیں نوشتۂ لوح و قلم میں فرق

اب تو ہے زندگی و موت میں جھگڑا ' دیکھیں
دونوں رہتے ہیں بہم دست و گریباں کب تک

نالے شب فرقت میں کیے میں نے سحر تک
اللّٰہ رے غفلت ' نہ ہوئی تم کو خبر تک

متاع صبر کھو بیٹھے رقیبان سیہ رو بھی
تمھاری راہ وہ ہے جس میں لٹ جاتے ہیں رہزن تک
جہاں دل تیر مژگاں کے نشانے سے نہیں بچتا
نگاہ شوق کہتی ہے بھلا چلیے تو چلمن تک

کہا بلبل نے قیدی ہیں تری قسمت کی خوبی سے
قفس بھی وہ ملا ہم کو نہیں ہے جس میں روزن تک

کیا رسائی ہو گئی اِس کی بھی چشم یار تک
نیند آتی ہی نہیں اب دیدۂ بیدار تک

دیر و حرم اُسی کے ہیں، اے شیخ و برہمن کافر سے وہ جدا ہے، نہ دیندار سے الگ

تمہیں جہاں میں رہو، میں تو، لو، عدم کو چلا:
تمہارا شہر جدا ہے مرا دیار الگ

دل ہے پسند، لیجیے، لیکن یہ شرط ہے پہلو میں آپ رہیے ہمیشہ بجائے دل

لطف کیا ہے گلوں میں نہ رہی بوے وفا
اب مناسب ہے گلستاں میں نہ جائے بلبل

سنبھالیے ہمیں اب آپ، سرور عالم! گذر گئے ہیں زمانے کے اعتبار سے ہم

او تند خو، ہوے ترے عاشق کہاں سے ہم
جو دل میں ہے وہ کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم
مہمان چند روزہ کی دعوت نہ ہو سکی
شرمندہ ہو کے وہ گئے عمر رواں سے ہم
باغ جہاں میں ہم ہی تھے کیا لائق خزاں
ملتا کہیں تو پوچھتے اُس باغباں سے ہم

پکارا دست جنوں کو یہ دم خفا ہو کر
اُلجھ گئے ہیں گریباں کے تار تار میں ہم
جسے سمجھتے تھے اپنا، وہ دوست اُن کا ہوا
خراب ہو گئے اِس دل کے اعتبار میں ہم

گناہوں کی ندامت سے جو سر ڈالا گریباں میں
تو دیکھا نور ایماں کو چمکتے داغ عصیاں میں
اُٹھی خبر کرنا بلبلوں کے آشیانوں کی
سنا ہے آتش گل خوب بھڑکی ہے گلستاں میں

تیرے عاشق کو تو سب اہلِ وفا کہتے ہیں
اور جو اُس کو ستائے اُسے کیا کہتے ہیں

عشق کے ، حسن کے رتبے کے سمجھنے والے
ہم کو بیہوش ، تمہیں ہوش ربا کہتے ہیں

میں غم و درد سے نالاں ہوں ، مرے سینے پر
رکھ دو وہ ہاتھ جسے دستِ شفا کہتے ہیں

آرام ہے اُن کو جو ترے محو لقا ہیں
بیتاب وہ قطرے ہیں جو دریا سے جدا ہیں

جب ہم کو درِ یار کے رہبر کی ہوئی فکر
دل کی یہ صدا آئی کہ ہم قبلہ نما ہیں

اگر وہ باغباں ملتا تو اتنا پوچھتے اُس سے
نہالِ آرزو کتنے دنوں کے بعد پھلتے ہیں

بیٹھا رہے ہیں غیر وہ حیران [1] ہیں کھڑے
آنکھیں اُدھر ہیں دل ہے اِدھر بولتے نہیں

ہزاروں آفتوں میں بھی خدا کو یاد کرتے ہیں
فرشتوں سے نہیں ہوتا جو آدمزاد کرتے ہیں

یہ کہہ کے مجھ کو بھیجا ہے دنیائے زشت میں
دوزخ کی سیر دیکھ کے آنا بہشت میں

آخر وہی ہوا کہ جو تھا سرنوشت میں
دوزخ کی راہ بھول کے پہنچا بہشت میں

تم بھی رہو جو پاس تو ہو لطف ورنہ یار
ہم رہ کے کیا کریں گے اکیلے بہشت میں

"حیرت" جمالِ جلوۂ جاناں کہاں نہیں
کعبہ میں بھی وہی ہے وہی ہے کنشت میں

نظر بتاؤ جہاں سے بھلا پھرے کیونکر
تمہارا نور ہے اِس انجمن کے پردے میں

عدم سے آن کے دنیا کو جانتے ہیں وطن
مگر ہے بے وطنی اِس وطن کے پردے میں

تمام جسم ہے روشن تو روح کے دم سے
یہ شمع رہتی ہے فانوسِ تن کے پردے میں

محو جمال کو نہیں آتے نظر کہیں
لٹتی ہے روز دولتِ دیدار ہر کہیں

آتی نہیں ہے نیند اجل تو ہی رحم کر
قصۂ شبِ فراق کا ہو مختصر کہیں

تم تو رہتے ہو بدگماں دل میں
اب تمہاری جگہ کہاں دل میں

آخرش ہم کمندِ اُلفت سے
لائے اُن کو کشاں کشاں دل میں

---

[1]—کلیات حیرت (۱۳۱۰ھ) - (حیراں سے) -

یہ حسد مجھ کو کہ اُن کا دوسرا عاشق نہ ہو
اُن کو یہ ضد ہے کہ کوئی دوسرا ہو، میں نہ ہوں

خرام ناز سے تلوار کی رفتار پیدا ہے
جہاں جاتے ہو واں کچھ شہیداں ہوتے جاتے ہیں
تلوّن چھوٹتا جاتا ہے جوں جوں ہوش آتا ہے
کچھ اپنی بےوفائی سے پشیماں ہوتے جاتے ہیں

اُلفت میں کسی کی کوئی مرجائے تو جانیں
یہ کام ہے اپنا، کوئی کرجائے تو جانیں

نہیں معلوم یہ اندھیر رہے گا کب تک   یا الٰہی شب فرقت کی سحر ہے کہ نہیں
ظلم کرنے کا نتیجہ بھی کبھی ملتا ہے   تم کو ہنگامۂ محشر کی خبر ہے کہ نہیں

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں   سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

جہاں کی سیر کرکے خانۂ اصلی کو جائیں گے
تماشا گاہ دنیا ہے، اِسے میلا سمجھتے ہیں
نفَس کی آمد و شد ہی نہ ہو، تو کیا اجارہ ہے
طلسم زندگی کو ہم تو اِک دھوکا سمجھتے ہیں

نشانِ کفش پا اُن کا ملے کیوں کر کہ رستے میں
جہاں وہ پانو رکھتے ہیں، بشر آنکھیں بچھاتے ہیں

یہ زندگی ہے جسے اضطراب سمجھے ہیں
وہ شکل موت ہے سب جس کو خواب سمجھے ہیں
گئے شباب کے ہمراہ زندگی کے دن
اب آگے جسم کی مٹی خراب سمجھے ہیں
گناہ اگرچہ ہوئے بےشمار ہم سے مگر
ترے کرم کو بھی ہم بےحساب سمجھے ہیں

ہم تو نگاہ لطف سے بےہوش ہوگئے   کچھ سحر بھی ہے کیا نظرِ التفات میں؟

دل گیا کوچۂ قاتل میں تو اب تک نہ پھرا
جان بھی جاتی ہے اب دل کی خبر لانے کو
گرمیِ حسن جلادے کی' خبر اِس کی نہ تھی
آئے تھے گلشن ہستی کی ہوا کھانے کو

یہ محو ہوئے دیکھ کے بے ساختہ پن کو
آئینے میں خود چوم لیا اپنے دہن کو

کوئی نافہم سمجھتا ہے کوئی دیوانہ　　تونے رسوا کیا آخر دل مضطر ہم کو
دیدہ بازی ہے رقیبوں سے ہمارے آگے　　دیکھتے ہیں جو دکھاتا ہے مقدر ہم کو

کہہ دو پھر آئیں گے تسکین زبانی ہی سہی　　تم نہ ٹھہرو تو مرا دل ہی ٹھہر جانے دو
رنج و راحت کا بھی اِک وقت معین ہے ضرور　　کوئی نادانی سے گھبرائے تو گھبرانے دو
آپ کے جور کے یا میری وفاداری کے　　اب تو ہیں سب کی زباں پر یہی افسانے دو

جلوہ فرمائے لامکاں تم ہو　　کوئی جس جا نہیں وہاں تم ہو

دیکھتے دیکھتے مرجائیں گے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلے گا تو اِس دیدۂ بیدار کی راہ

ہشیار جو مشہور ہیں دنیا کے طلبگار　　وہ سب ہمیں انجام سے غافل نظر آئے
جاتی تو ہے یہ عمر رواں راہ طلب میں　　دیکھیں اِسے کب عشق کی منزل نظر آئے

سنا ہے اُن کو منظور نظر تیغ آزمائی ہے
کہاں شوق شہادت نے مری گردن جھکائی ہے
سمجھ کر عاشق جانباز اتنا مت ستا ہم کو
اُسی نے دل دیا جس نے تری صورت بنائی ہے

اب لڑکپن چھوڑ دو عہد شباب آنے کو ہے
ہوش میں آؤ کہ وقت اِنقلاب آنے کو ہے
دیدۂ بیدار جو کچھ دیکھنا ہو دیکھ لے
حشر تک جس سے نہ چونکے گا وہ خواب آنے کو ہے

نہ خطا اپنی نہ اُن کی ستم آرائی ہے
یہ مصیبت ہمیں تقدیر نے دکھلائی ہے
سخت مشکل ہے کرو ضبط تو جلتا ہے جگر
اور کیفیت دل کہنے میں رسوائی ہے
جان بچتی نظر آتی نہیں بیچینی سے
کیا ترے عشق کے پردے میں قضا آئی ہے

نکیرین آکے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کہ دوں گا
میں بندہ ہوں اُسی کا جس پہ سب کا دم نکلتا ہے

کیا مری زندگی بسر نہ ہوئی — ہاں مگر ایک طور پر نہ ہوئی
شب فرقت کی سختیاں دیکھو — دم فنا ہوگیا سحر نہ ہوئی
آپ تک کون مجھ کو پہنچاتا — جب کہ تقدیر راہ بر نہ ہوئی

کیا جانے کس کے پاس گیا کچھ نہ پوچھئے
ہم سے ہمارے دل کا پتا کچھ نہ پوچھئے
کیا کیا خرابیاں شب غم کی بیاں کروں
بے لطف زندگی کا مزا کچھ نہ پوچھئے

کیا زمانے سے گئے عشق و محبت والے ؟
اب کسی میں نہ مروت نہ شناسائی ہے

پھرتے ہی نظر تیری پھرا مجھ سے زمانہ — معلوم ہوا گردش ایام یہی ہے

قاتلوں میں عجب انداز جفا ہوتا ہے
کوئی تڑپے تو وہ کہتے ہیں ''یہ کیا ہوتا ہے؟''
یہ بھی نیرنگیِ قدرت ہے کہ بندوں میں ترے
کوئی بیہوش کوئی ہوش ربا ہوتا ہے

بیٹھا بھی میرے پاس تو منہ پھیر کر وہ شوخ
تقدیر کس مقام پہ پہلو بدل گئی

دیکھ کر عالم رویا میں اُنھیں میں سمجھا
خواب غفلت یہ نہیں بخت کی بیداری ہے

نہ تو کچھ فکر میں حاصل ہے نہ تدبیر میں ہے
وہی ہوتا ہے جو انسان کی تقدیر میں ہے
اُس کا ہر فقرہ ہے بیچیں جواب خط میں
ہے طبیعت میں جو شوخی وہی تحریر میں ہے

سن تو اے دشمن دیں اب تجھے کیا ہے منظور
کوئی دنیا میں مسلمان رہے یا نہ رہے

واہ رے شہر خموشاں کے بسانے والے کہ اُدھر جاکے پھر آتے نہیں جانے والے

یہ ترے پند و وعظ کون سنے ؟ ناصحا ، عالم جوانی ہے

کس طرح سے دل آپ نے پتھر کا بنایا
ہم کو بھی بتا دیجئے تدبیر کچھ ایسی

وطن چھٹے تو کہو کس طرح قرار آئے
عدم سے آئے تو دنیا میں اشکبار آئے

اے گل صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے
سینے میں دل ہے یا کوئی بلبل قفس میں ہے

بیہوش کیے دیتی ہے تاثیر نظر کی
اب ہم کو خبر ہے نہ اِدھر کی نہ اُدھر کی
جب عشق نہ تھا چین سے اوقات بسر کی
اب جی سے گذرتے ہیں یہ صورت ہے گذر کی
کروٹ تھی اِدھر کی ، کبھی کروٹ تھی اُدھر کی
کل آپ کی فرقت میں یونہیں رات بسر کی

رسوائے جہاں ہوتے ہو کیوں غیر کے باعث
جو لوگ تمھیں کہتے ہیں ہم کہ نہیں سکتے

سنتا تو ہوں اکثر کہ وہ آنے کو ہیں تیّار
لیکن مری تقدیر بھی جب راہ پر آئے

دست رس یار پہ کیوں کر مجھے حاصل ہو جائے
اُس سے کیا زور چلے جس کی طرف دل ہو جائے

مذہب عشق میں عاشق کو عجب لطف ملا
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

ترجیع بند

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں

مشغل ہیں آپ خالق اکبر کی راہ کی — پور اصل کیا بھلا مرے بخت سیاہ کی
سنتا نہیں ہے کوئی بھی مجھ دادخواہ کی — ہے آپ کو خبر مرے حال تباہ کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے

بار الم نے میری کمر چور چور کی — آتی نہیں نظر کوئی صورت سرور کی
حالت بہت بُری ہے دل نا صبور کی — ہو جائے مجھ گدا پہ عنایت حضور کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے

قصیدہ

حضرت غوث پاک کی شان میں

غوث پاک اپنی دکھا دیجیے وہ شان مجھے
جس سے مل جائے چمکتا ہوا ایمان مجھے
جاؤں دنیا سے سبکدوش تو محشر میں کرے
سرخرو پھر بھی خدا آپ کا احسان مجھے
مہربانی سے عطا کیجیے وہ طور طریق
کہ زمانے میں کہیں لوگ مسلمان مجھے
ذرّے ذرّے سے جہاں نور الٰہی ہے عیاں
وہ مدینے کا نظر آئے بیابان مجھے

قطعہ

گل خنداں و چشم نم دیکھے، زلف و سنبل کے پیچ و خم دیکھے،
بتکدے میں بہت صنم دیکھے، سیکڑوں بندۂ درم دیکھے،
اہل ثروت، عرب، عجم دیکھے، صاحب طبل و علم دیکھے،
ایک سے ایک محترم دیکھے، چشم ''حیرت'' نے تم سے کم دیکھے،

سلیم

گوری شنکر "سلیم" تیج بھان عرف لالہ چمن سکھ کے بیٹے لکھنؤ کے رہنے والے ، قوم کے کائستھ تھے - واجد علی شاہ کے زمانے میں تصنیف و تالیف کا شوق ہوا - احمد میرزا "صابر" سے خوشنویسی اور عروض سیکھا - محمد میرزا "اُنس" شاگرد "ناسخ" سے مشورۂ سخن کرتے تھے - اِن کا دیوان ۱۳۱۲ ھ میں چھپا -

کلام میں لکھنؤ کی قدیم شاعری کا رنگ جھلکتا ہے ، مضمون آفرینی بھی ہے - اپنے زمانے کے رنگ کے موافق اِستعارے اور تشبیہ کے دلدادہ ہیں [۱] -

غزلیات

فیض صحبت نہیں بے جوہر ذاتی ممکن
قطرہ شبنم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا

صاف باطن جو ہیں آتے ہیں برابر سب سے پیش
عکس آئینے میں یکساں ہے گدا و شاہ کا

وقت آرائش مقابل ہو کے روے صاف سے آئینے نے کیا مزاج یار کو برہم کیا

دل و دیں عشق میں ہوے برباد دیکھیے اب کرے زمانہ کیا

لے گیا راہ حقیقت پر مجھے عشق مجاز
ہر بت رنگیں ادا سنگ نشاں ہوتا گیا

کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی انکھوں سے پہلو میں
قیام دل ہے شوق دید میں کب ایک منزل پر

---

[۱]— خمخانۂ جاوید ، ج ۴ ، ص ۲۳۵ ۔

وقتِ گریہ ' کار قلزم دامن تر نے کیا
گر پڑیں بوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہو گئیں

کیا کیا ہوس تھی آہ دلِ بے قرار میں
کنجِ قفس ملا مجھے فصلِ بہار میں

آنکھوں کو خوں رلائیے مژگاں کی یاد میں
نشتر سے چھیڑیے رگ ابر بہار کو

کہوں کیا تجھ سے حال درد فرقت حکایت ہے زیادہ ' رات کم ہے

فیض ساقی سے کیا عجب ہے کہ مے قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے

اب لطف دید کیا ہے کہ آئے ہو نزع میں '
پل مارنے کی جب مجھے مہلت نہیں رہی

جوہر

جواہر سنگھ "جوہر" منشی بختاور سنگھ "راقم" کے بیٹے لکھنؤ کے رہنے والے، قوم کے کائستھ اور راجا لال جی کے حقیقی بھانجے تھے جو امجد علی اور واجد علی شاہ کے زمانے میں فوج کے بخشی تھے۔ گل محمد خاں "ناطق" اور خواجہ "وزیر" سے اصلاح لیتے تھے [1] - اور مرزا "غالب" کے شاگرد رشید تھے۔ اردو کے پانچ دیوان ان سے یادگار ہیں۔ صاحب خمخانۂ جاوید (۱۳۲۵ھ میں) لکھتے ہیں۔ "ایام ضعیفی میں دس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا" اس حساب سے تقریباً ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔

زبان کی خوبی اور سلاست کے علاوہ کلام میں تصوف غالب ہے۔ اکثر جگہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کو تغزل کے متبول رنگ میں بیان کیا ہے۔

غزلیات

صنم بھی اُس کے مظہر ہیں کروں سجدہ نہ کیوں جوہر!
نظر آتا ہے، جو کچھ ہے، نمونہ اُس کی قدرت کا

ٹھہرا وصال وعدۂ فردائے حشر پر — دل کو یہاں تحمّل روز دگر نہ تھا

دل مرا عشق سے معمور ہوا، خوب ہوا: — جام خالی تھا؛ یہ معمور ہوا، خوب ہوا

مجھ کو مارا تو نے، اے بیدادگر! اچھا کیا: — قصۂ طول محبت مختصر اچھا کیا

جلد لا ساغر الماس میں، ساقی، مے لعل — موتی برساتا ہوا ابر گہر بار آیا

خار کی طرح ملی باغ جہاں میں تقدیر؛
جس سے لپٹوں وہ چھڑا لیتا ہے دامن اپنا

---

[1]—سخن شعرا، ص ۱۱۸ و خمخانۂ جاوید، ج ۲، ص ۳۱۲۔

جگانے صبح وہ بالیں پہ بے نقاب آیا　　اُٹھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا

ہم آئے عشقبازی کو ' تم آئے دلنوازی کو ؛
کوئی اِس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

میرے مرض کا کچھ نہیں غیر از فنا علاج　　دم لے کے غم یہ جائیگا ہے اِس کا کیا علاج ؟

سب کھینچتے ہیں نالۂ گرم اُس کے واسطے :
اِک شمع نے لگائی ہے یہ انجمن میں آگ

صبر آہی جائیگا ' اے ناصحو '　　تھک کے خود ہو جائیگا ناچار دل

وہ بادہ خوار ہوں پہنچوں گا جب لب کوثر
تو دیں گے ساقیِ کوثر بھی بھر کے جام مجھے

طاهر

طاہر علی ''طاہر'' سید اطہر علی کے بھتیجے، فرخ آباد کے رہنے والے تھے - حضرت ''بحر'' لکھنوی اور امداد حسین ''صفدر'' فرخ آبادی سے تلمذ تھا [۱] - شاعری کی طرف ابتدا ہی سے طبیعت مائل تھی - اِن سے ایک دیوان یادگار ہے ۔ جسے ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں مرتب کیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں مطبع محمدی کانپور میں چھپوایا [۲] -

تغزل میں تلمیحات سے کام لیتے ہیں، تصوف کے نکات دلنشین انداز میں بیان کرتے ہیں اور معمولی ترکیبوں میں بلند مضامین پیدا کرتے ہیں -

غزلیات

روز فرقت نے دیے داغ، جگر میں کیا کیا
مشعلیں جلتی ہیں دن کو مرے گھر میں کیا کیا
مجھ سے سیکھا ہے شبِ غم میں جو اندازِ فغاں
درد ہے نالۂ مرغانِ سحر میں کیا کیا

تیر نظر سے جب تن لاغر نہ آ سکا | تیوری بدل گئی کہ یہ کیسا نشانہ تھا
ڈوبا ہوا تھا اُلفت ساقی کے رنگ میں | ظاہر میں گو لباس مرا صوفیانہ تھا

وہ نشّے میں نہ لڑاتے تھے آنکھ غیروں سے
کسی زمانے میں یہ میکدہ خراب نہ تھا
اب اُس کی بندہ نوازی جو بخش دے ''طاہر''
ہمارے جرم کی کچھ حد نہ تھی، حساب نہ تھا

---

[۱]—سخن شعرا، ص ۳۰۱ و خاتمۂ دیوان طاہر، ص ۲۵۹ -
[۲]—خاتمۂ دیوان طاہر، ص ۲۶۰ -

آنکھوں ساقی سے ملا کر ٹھیر جب رخصت ہوا
شربت دیدار پیمانوں میں بھر کر لے گیا
مانگتا ہوں میں بھی مسجد میں دعائیں وصل کی
مجھ کو بھی عشق بتاں اللّٰہ کے گھر لے گیا

جگر میں داغ جنوں بے حساب دیتا جا ۔ نشانیاں مجھے تو اے شباب، دیتا جا
بہار توبہ شکن آگئی ہے اے ساقی، ۔ چمن کی خیر ہو جام شراب دیتا جا

غائبانہ ہی محبت نے جمائے نقشے
میں نے اُس بت کو، نہ زاہد نے خدا کو دیکھا

دیکھ لیں اہل نظر کیفیت میخانہ آج
چشم ساقی کی طرح گردش میں ہے پیمانہ آج
وحشت دل کی حمایت پا کے، اے جوش جنوں،
عقل سے دست و گریباں ہے ترا دیوانہ آج

پہنچی کمند آہ فلک تک تو کیا ہوا ۔ بام مراد عشق ہے اِس سے سوا بلند

چار آنکھیں ہم نے کی ہیں، تو غصّہ نہ کیجیے
سائل نہیں، فقیر نہیں، راہ گیر ہیں

حضور دیکھ تو لیں اپنے طاق ابرو میں
میں رکھ کے بھول گیا ہوں دل خراب کہیں
نہ آئے راز محبت زبان تک دل سے
چھلک نہ جائے پیالے سے یہ شراب کہیں

کس خرابی سے ملا ہے در جاناں مجھ کو
یہیں رہنے دے اب اے گردش دوراں مجھ کو
بخیۂ چاک جگر کے لیے اے دست جنوں،
کوئی باقی ہو تو دے تار گریباں مجھ کو
دھوکا دینے کو فقیرانہ بنائی صورت
پھر بھی پہچان گئے آپ کے درباں مجھ کو

وہی قفس میں بھی مرنے کی آرزو مجھ کو
گلے کا ہار ہوئی ہر رگ گلو مجھ کو
لحد میں رخ نہ کروں کوے یار کی جانب
جب اضطراب بھی رہنے دے قبلہ رو مجھ کو
میں ساتھ ساتھ چلوں گا ابھی ابھی اے عمر '
سنبھال لینے دے بار گناہ تو مجھ کو

مال و دولت سے ہیں مستغنی ترے در کے فقیر
کیمیا ہاتھ آئی ہے نقش قدم کی خاک سے

بڑھ گئی شوق شہادت میں جو بیتابیِ دل
چال بسمل کی تمہارے جگر افگار چلے
شکر ہے ہوگئی آسان وہ ملک عدم
تیری تلوار کے سائے میں گنہگار چلے

وہ دوڑ کر نہ چلیں جسم زار باقی ہے
ابھی اُلجھنے کو دامن سے خار باقی ہے
بڑھا چکے ہیں مرے سوگ میں وہ سب زیور
گلے میں اشک مسلسل کا ہار باقی ہے

اے گل ترے دیوانوں کی ہے وضع نرالی
ثابت ہے جو دامن تو گریبان نہیں ہے
ارباب صفا کو ہے تکلف سے غرض کیا
آئینے کے گھر کا کوئی دربان نہیں ہے

ابرو کا جواب ' اے بت عیار ' کہاں ہے ؟
اِس کاٹ کی ' اِس گھاٹ کی تلوار کہاں ہے '

کیف

شونانھ "کیف" پنڈت بیبج ناتھ چک کے بیٹے ایک کہنہ مشق شاعر تھے' شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے - جہاں پہنچتے مشاعرے کی طرح ڈال دیتے - سہارنپور ' فیض آباد ' گونڈا ' اناؤ وغیرہ میں تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر رہے - پنشن کے بعد ریاست جےپور میں دیوان ہوئے - پھر ۱۹۰۹ع سے لکھنؤ میں مستقل قیام کرلیا - گونڈے سے "گلدستۂ کیف" ایک ماہانہ رسالہ ۹۰—۱۸۹۲ع میں جاری کیا تھا - دیوان چھپ گیا ہے - ۱۹۱۴ع (۱۳۳۲ھ) میں وفات پائی -

کلام میں سلاست و روانی ہے - زبان شستہ ہے ' بندشیں چست اور دل نشین ہیں [۱] -

غزلیات

کس جگہ ڈھونڈے تجھے والہ و شیدا تیرا
جب کہیں خاص نہیں کوئی ٹھکانا تیرا

تو وہ یکتا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پیدا
کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا تیرا

"کیف" امید رہائی قید وحشت سے نہیں
پانو کی زنجیر اب دامان صحرا ہوگیا

کیسا ہے' کہاں ہے وہ ' بتائے کوئی کیا "کیف"
بےنام و نشاں کا تو نشاں ہو نہیں سکتا

---

[۱]—بہار گلشن کشمیر ' ج ۲ ' ص ۱۴۷ -

آہ بھی لب پہ تھی اور نالۂ شبگیر بھی تھا
رات مجھ سا کوئی اور اے فلک پیر بھی تھا

پیاس بسمل کی بجھانے کے لیے مقتل میں
آب خنجر بھی تھا آب دم شمشیر بھی تھا

اُس کی محفل میں سوا تیرے بتا تو اے "کیف"
کوئی خاموش بھلا صورت تصویر بھی تھا

نہ تھا جوش جنوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی
رگوں کو چھیڑ کر پھر نشتر فصّاد کیا کرتا

تری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسینوں میں
سوا وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا

کسے خبر ہے کہ روز شمار کیا ہوگا　　خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

جو گیا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا
پوچھے پھر کوئی کسی سے کیا نشان کوے دوست

وہ ہوں گم گشتہ میں راہ عشق میں اے "کیف" زار
خضر بھی ڈھونڈے تو پائے کچھ نشاں مدت کے بعد

پاے وحشت دوڑتا ہے پھر بیاباں کی طرف
بڑھ رہا ہے ہاتھ پھر جیب و گریباں کی طرف

قبل محشر ہو اگر منظور محشر دیکھنا
چلتے پھرتے جائیے گور غریباں کی طرف

مر کے لانا میں وہاں کا کچھ پتا　　دور ہے ملک عدم نا چار ہوں
آمد و شد سے نفس کی دمبدم　　ہو گیا ثابت کہ میں اِک تار ہوں

بھولتا ہے عبث تو ہستی پر　　آسرا دم کا ، اے حباب ! نہیں

پلا دے آب خنجر اور قاتل ،　　ابھی باقی ہے دم اِس نیم جاں میں

ہم بھی جائیں گے سوے ملک عدم　　جانے والوں کی خبر آنے دو

عریانیِ تن لباس اپنا حاجت اِس کو نہیں رفو کی
اللّٰہ رے ہماری سخت جانی تیغ قاتل بھی خون تھوکی
ساقی بھر کر پلا دے اِک جام ہو خیر تری' ترے سبو کی

مسیحا کیا خبر لے گا کسی کی جب اُس کو آپ ہی اپنی پڑی ہے

بعد مرنے کے کسی کو نہ دکھائی صورت منہ لپیٹے ہوئے چادر سے خطاوار چلے
مرتے دم وضع کے پابند یہ دونوں نہ رہے اِک روش راہ عدم' غافل و ہشیار چلے

کرے ضبط فغاں جب دل تو بھلا " کیف " فرقت میں
لبوں پر آکے پھر کس طرح آہ نارسا ٹھہرے

قیصر

امین‌الدین ''قیصر'' شاہ ابوالمظفر کے بیٹے، شاہ محمد علیم [ا] کے پوتے، مرزا اعظم علی ''اعظم'' کے شاگرد، شاہ اجمل الہ‌آبادی کے خاندان سے تھے - ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے - ایک مختصر دیوان ''فرمان سخن'' مطبع نامور، الہ‌آباد میں ۱۳۱۸ھ میں چھپا - ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی [۲] -

کلام میں آتش کا رنگ اور بےساختگی اور ندرت ہے - جذبات کی ترجمانی خوب کرتے ہیں - قافیے اکثر تازہ اور شگفتہ ہیں، قصائد میں آمد کی کیفیت زیادہ نمایاں ہے -

غزلیات

کھینچے اے کلک نقشہ مطلع ابروے احمد کا
سر دیواں پہ چمکے تاج بسم‌اللہ کی مد کا

کھلا نام اسم سے اللہ کے مجھ کو محمد کا
پتا لام مشدد سے ملا میم مشدد کا

نشان نقش پا ہے غیرت نور یدبیضا
چراغ طور پروانہ ہے شمع روے احمد کا

بہار گلشن فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں
تصور رنگ لاتا ہے ترے روضے کے گنبد کا

کہے گا دیکھ کر رضواں مجھے محشر میں اے ''قیصر''
جگہ دو خلد میں مداح آیا ہے محمد کا

[ا]—الہ‌آباد میں ''دائرۂ شاہ علیم'' انہیں کے نام سے ہے - سخن شعرا میں انہیں ''شاہ علیم اللہ'' لکھا ہے -

[۲]—''لطف جگر'' پیدائش کی، ''آہ شاہ شاعراں، قیصر'' وفات کی تاریخ ہے -

اب کہاں ہے جلوۂ دیدار بےپردہ نصیب — ایک دن موسیٰ سے لطف بےحجابی ہوگیا

اُمتی کہتے ہیں بندہ مجھے، مولا تجھکو — اِس طرح ذکر ہوا کرتا ہے میرا تیرا

یہ اُن کے بےنشانوں کے نشاں ہیں — نہ مسکن ہے نہ ہے مدفن کسی کا

یہی "قیصر" ہے جنت کا وسیلہ
نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن کسی کا

امانت ہے بتوں کا راز اُلفت دیدۂ دل میں
تصور ہے مجھے آنکھوں سے اُن کی پردہ‌داری کا
جھکاکر نشئے میں سر ساقیِ میکش کے قدموں پر
لیا ہے بیخودی سے کام میں نے ہوشیاری کا
بتوں کو جبر کا شیوہ ملا سرکار خالق سے
ہمیں بخشا گیا سامان سب بےاختیاری کا

مرا خط کس طرح، اے آسماں منزل، تجھے پہنچے؟
پر جبریل سے یہ غم کا دفتر اُٹھ نہیں سکتا
فقیری تیرے کوچے کی کہیں بہتر ہے شاہی سے
تری دولت سرا سے مر کے "قیصر" اُٹھ نہیں سکتا

دیکھ کر اضطراب بسمل کا — ٹوٹ جاتا ہے دل بھی قاتل کا
اُن کو بےعذر آج دے دیں گے — یوں کریں گے معاملہ دل کا

خاک ہم راہ جستجو میں ہوئے — نہ ملا پھر نشان منزل کا
اُن کی مژگاں تو پھر گئیں ہم سے — کون کانٹا نکالتا دل کا

ہے نشۂ پندار عبث بادہ‌کشوں کو — ساقی نہ کسی کا ہے نہ میخانہ کسی کا

نظر آتا نہیں پہلو میں ٹھکانا دل کا — نگہ ناز اُڑاتی ہے نشانا دل کا

زور بڑھتا ہے ناتوانی کا — عشق اِک روگ ہے جوانی کا
جلوہ گر ہے وہ مہر پہلو میں — لطف ہے صبح زندگانی کا

ساقی پری وشوں کی خبر کس سے پوچھیے؟ — جو میکدے میں ہم کو ملا، بےخبر ملا

کیا کیا مکاں ہیں تیرے لیے اے جمال یار '
دل میں جگہ ملی تجھے آنکھوں میں گھر ملا
غفلت میں ہائے ہوگئی آخر تمام ' عمر
پیری میں بھی نہ وقت نماز سحر ملا

اے شمع جاں ' ہے بعد ترے قصر تن میں کیا ؟
جب تو نہیں ' تو اور ہے اِس انجمن میں کیا ؟

غضب ہے شام ہی سے وصل کی شب دل دھڑکتا ہے
خدا جانے کہ ہوگا حال کیا وقت سحر اپنا

جلد دکھلا سحر وصل کی صورت ' یارب '
دل شب ہجر بتاں سے مرا گھبرا اُٹھا

خوب میرے حال سے واقف ہیں اے دل ' چشم و گوش
لطف دونوں کو ملا ہے نامہ و پیغام کا

عندلیبو ' مجھے کیوں خار نہ ہو سیر چمن ؟
کوچۂ یار ہی چھوٹا ' تو گلستاں کس کا ؟
آج ہی دست درازیِ جنوں دیکھتے ہیں
پردہ رہ جاتا ہے ' اے جیب و گریباں کس کا ؟

کرکے بسمل نہ مجھے ' شوخ ستمگر ' جانا
فیصلہ آج تڑپنے کا مرے کر جانا
خانۂ چشم میں رہیے مرے پردہ ہے یہیں
دیکھیے دیکھیے ' اچھا نہیں باہر جانا

یار نے خواب میں دیدار دکھایا ہے ہمیں
بخت خفتہ نے جگایا ہے مقدر اپنا
لا تصور میں کسی شمع کا جلوہ ' اے دل
تو بھی فانوس خیالی میں بنا گھر اپنا

تیغ ادا کے وار اُٹھاتے نہ کس طرح ؟
پہلو میں دل نہ تھا ' کہ ہمارے جگر نہ تھا
رہنا بتوں نے دل کا کیا اِس لیے پسند
بہتر خدا کے گھر سے کوئی اور گھر نہ تھا

رہے شرمِ سیہ کاری سے ہر دم سر گریباں ' میں
خدا کے سامنے اے دل ' حجاب آیا تو کیا آیا ؟

اللّٰہ رے شان مسکن ذیشان مصطفیٰ — کرسی سے بھی بلند ہے ایوان مصطفیٰ
سایہ کرے گی نور خدا بن کے حشر میں — اللّٰہ رے شان وسعت دامان مصطفیٰ

جبہہ سا ہو در سلطان اُمم پر اے دل ، — سیدھا ہوتا ہے وہیں جا کے مقدر اُلٹا
خضر دل دیر سے کعبے کو لیے جاتا ہے — واسطہ مجھ کو بتاتا ہے یہ رہبر اُلٹا

پھر آج سوے گلشن جھونکا چلا خزاں کا — اللّٰہ ہے نگہبان بلبل کے آشیاں کا

منہ دکھاتا ہے خدا کو بھی ، یہ اندھیر نہ کر
حشر کا دن بھی کبھی ، اے شب ہجراں ، ہوگا
قطع ہوگا نہ کبھی سلسلۂ پردہ دری
اپنا دامن ، جو پھٹے گا ، تو گریباں ہوگا

چومے نہ فتح پائے یداللّٰہ کس طرح — خیبر کشا تھی قوت بازوے مرتضیٰ

میں نہ جاتا لے گیا دھوکے سے جنت میں مجھے
سامنے رضواں نے تیرے گھر کا نقشا کر دیا

کھل گئیں صورت گل جامۂ نو کی کلیاں — رنگ لایا ترے دامن سے لپٹ کر سہرا
فرط شادی سے سماتا نہیں پیراہن میں — اپنے جامے سے ہوا جاتا ہے باہر سہرا

پھیلائے پانو ، ہاتھ میں جب دل لیا مرا — نزدیک ہوکے یار کو دیکھا ، تو دور تھا

اللّٰہ رے بیخودی ، نہ ہوئی کچھ خبر ہمیں — آئی خزاں ، گذر گئی فصل بہار کب ؟

جب چلی باد مخالف ، ایک دم میں مٹ گیا
جسم خاکی بھی مرا تھا نقش تعمیر حباب

مانع آہ و بکا ، دشمن فریاد ہیں آپ
سچ تو یہ ہے کہ غضب کے ستم ایجاد ہیں آپ
وہ ہوا کھاتے ہیں غیروں کو لیے گلشن میں
اور اے حضرت دل ، مفت میں برباد ہیں آپ

ہمارے دیدۂ بیدار ہم سے کہتے ہیں — ہمیں کبھی نظر آئی نہ خواب کی صورت
تھہر تھہر کے بھڑک ، اے فراق کے شعلے ، — مزا یہی ہے بھنے دل کباب کی صورت

ترا عشق جائے نہ ! اے شاہ خوباں ، رہے سایۂ افگن ہمائے محبت
نہیں کچھ یہ موقوف شاہ و گدا پر جسے چاہے بندہ بنائے محبت
مرا درد دل اُس مسیحا کو لایا مرض ہوگیا خود دوائے محبت

کھول کر ہم دلِ کہیں گے خوب حالِ زار آج
رحم پر آیا ہے برسوں میں مزاجِ یار آج
شب کو تھے وہ ہم بغل وقت سحر کچھ بھی نہ تھا
سہل کل تک زندگی تھی ، ہوگئی دشوار آج

شوقِ دیدار بڑھ گیا حد سے روز محشر کا انتظار ہے آج
بے نیازی کا ہے غرور انہیں کوئی بندہ جو بیقرار ہے آج
رخ گلگوں ہے پُر عرق اُن کا کیا ٹپکتی ہوئی بہار ہے آج؟

وصل میں غش آگیا ہے تاب نظارہ نہیں
وہ تو نزدیک آگئے ہیں پر ہمیں ہیں دور آج

سبطین تھے گلدستۂ گلزار نبوت تھی ایک میں بو ایک میں تھی خوے محمد

اے چرخ آج شب کو چڑھیں گے وہ بام پر دعویٰ ہو کچھ تو تو بھی زمیں پر اُتار چاند

اکسیر ہوا خواب ، مقدر مرا جاگا ، سونے میں ملی دولت دیدار محمد

ہاتھ رکھا جو بدن پر مرے تپ دور ہوئی دست جاناں کی لکیروں کو میں سمجھا تعویذ
کیا میں "قیصر" کہوں کس چین سے گزری شب وصل
رات بھر پیار رہا میرے گلے کا تعویذ

روح آنکھوں میں چلی آتی ہے آنسو ہوکر پھر اٹھا ہے نگاہوں جو خفا تو ہو کر
ہجرِ ساقی میں جو پیتا ہوں کبھی ، اے "قیصر"
مے گلنار ٹپک جاتی ہے آنسو ہو کر

مجھکو حیرت ہے نہ اُٹھتی تھیں کبھی شرم سے جو ،
اب اُنہیں آنکھوں نے سیکھا ہے اشارا کیوں کر
چین آتا نہیں بے آپ کے دیکھے اس کو
دل بیتاب پہ قابو ہو ہمارا کیوں کر ؟

سوچتا ہوں کوئی پہلو نہیں ملتا مجھ کو :
دل مرے ہاتھ میں آ جائے تمھارا کیوں کر ؟

کوئی جاں بر نہ ہوا عاشق شیدا ہو کر
جان لی آپ نے کتنوں کی مسیحا ہو کر ؟
جان کر قیس کسی صاحب محمل کا مجھے '
ناز کرتی ہے شب ہجر بھی لیلی ہو کر
راہ پر اُن کو نہ آنا تھا ' نہ آئے ' افسوس !
ہم یہاں مٹ بھی گئے نقش کف پا ہو کر ؟

سختیِ نزع کے صدموں سے ہوا چھٹکارا — موت آتی تھی مرے پاس مسیحا ہوکر

حشر برپا نہ کرے آپ کی رفتار کا ناز — دیکھیے دیکھیے' اچھا نہیں ہر بار کا ناز
دامنِ گل کی ہوا چاک قفس تک لے جا — اے صبا' تو ہی اُٹھا مرغ گرفتار کا ناز

مجمع کافر و دیندار وہیں رہتا ہے — کوچۂ یار میں ہے دیر و حرم کا انداز
دیکھیے کٹتی ہے اے دل شب ہجراں کیسے — آج بیڈھب ہے مرے رنج و الم کا انداز

ہجر رہتا ہے وصالِ بت ترسا کے عوض
موت آتی ہے مرے پاس مسیحا کے عوض
دلِ مجنوں سے یہ ہر بار صدا آتی ہے
ہائے' میں کیوں نہ ہوا محمل لیلی کے عوض

لبریز اُس کے دم سے ہیں مے کی گلابیاں
" قیصر " مجھے ہے ساقیِ گلفام سے غرض

خمِ مے بھر خدا منہ سے لگا دے' ساقی
ہوگی سیری نہ مجھے ایک ہی چلّو میں فقط

اللّٰہ اللّٰہ رے تاثیرِ شراب عرفاں — وجد میں جھوم رہا ہے سر منبر واعظ

منہ خم کا پھیر شوق سے تو جام کی طرف
ساقی نہ دیکھ گردش ایام کی طرف

بیتاب کردیا یہ اسیری کے شوق نے
خود مرغ روح اُڑ کے گیا دام کی طرف
دنیائے بے ثبات پہ تکیہ نہ کر کبھی
اے دل ' خیال چاہیے انجام کی طرف

کیا جانتے تھے باغ جہاں خار زار ہے
پچھتائے آکے گلشن ایجاد کی طرف
کوچے میں تیرے اشک کے مانند ہم گرے
تو بھی تو آکے دیکھ اِس اُفتاد کی طرف

دیکھیں اُٹھتا ہے حجاب رخ تاباں کب تک
نظر آتا ہے چراغ تہ داماں کب تک

گو نقاہت سے نہیں اب طاقت رفتار تک
لڑ کھڑاتے جائیں گے لیکن در خمّار تک
یوں نہ میری خاک کو پھر خدا برباد کر
اے صبا ' لے جا اُڑا کر کوچۂ دلدار تک

بدن میں بادہ کشوں کے جو اونٹتا ہے لہو '
کہاں سے آگئی ساقی تری شراب میں آگ ؟
حرارتِ تپ ہجراں سے جسم پھنکتا ہے ؛
لگی ہوئی ہے دل خانماں خراب میں آگ

بلبل میں مجھ میں فرق بہار و خزاں کا ہے
میں مبتلا ہوں آپ کا وہ مبتلائے گل
یارب برا ہو صر صر خانہ خراب کا
دو دن چمن میں چین سے رہنے نہ پائے گل

زنداں میں لے جانے لگا' دم غم سے گھبرانے لگا' سنبل میں اُلجھانے لگا اندھیر دکھلانے لگا
دل پیچ میں آنے لگا ' زنجیر پہنانے لگا' سر پر بلا لانے لگا' اُس کاکل پیچاں کا خم
دوری میں تیری زار ہوں 'باغ جہاں میں خار ہوں 'مدت ہوئی بیمار ہوں ' بے مونس و غمخوار ہوں
آنکھوں سے دریا بار ہوں ' مجبور ہوں لاچار ہوں ' اب زیست سے بیزار ہوں ' سینے میں گھبراتا ہے دم

صبا نہ جائیں کے اِس سال لالہ زار میں ہم
کہ اپنے داغوں سے گلشن ہوئے بہار میں ہم
صبا کی طرح پتنگوں کی شکل، بو کی روش،
ہر ایک رنگ سے جاتے ہیں بزم یار میں ہم
جفا کی خو ہے اُنھیں ہم وفا پہ مرتے ہیں :
نہ اختیار میں وہ ہیں، نہ اختیار میں ہم
ہوا شباب میں برباد گلشن ہستی :
برنگ بوے چمن اُڑ گئے بہار میں ہم

دل ہے کہاں، جگر ہے کہاں، ہوش ہے کہاں ؟
مدت گذر گئی کہ کسی کی خبر نہیں
کرلیں گے درد سر کا ہم اپنے علاج بھی :
دیوار آپ کی نہیں، یا سنگ در نہیں ؟

بنے شیخ و زاہد بھی اُس بت کے بندے　　کہاں رام، اللّٰہ والے، ہوئے ہیں ؟
بتوں کے ہے جلوے میں شان الٰہی　　برہمن بھی اللّٰہ والے ہوئے ہیں
گناہوں کی، "قیصر" ندامت ہے ہم کو :
گریباں میں سر اپنا ڈالے ہوئے ہیں

وہ سنتے کیا ؛ عجب کمبخت افسانہ ہمارا ہے
زباں پر آگیا تھوڑا سا ، باقی رہ گیا دل میں
وہ بحر حسن کہتا ہے کنارہ کش ہو وصلت سے
کوئی دریا کبھی سوتا نہیں آغوش ساحل میں
نگاہ شوخ اُن کی جب نکل آتی ہے پردے سے
حیا اُس کو چھپا لیتی ہے اپنی آنکھ کے تل میں
پےء فریاد محشر میں نہ خالی ہاتھ جائیں گے
رگ جاں کا لہو بھر لیں گے اپنے شیشۂ دل میں
مری آنکھوں کے پردے دیکھیے کیا کام آتے ہیں
چلے آتے ہیں وہ اِن کھڑکیوں سے خانۂ دل میں

دباکر غیر کا پہلو، نہ بیٹھو اپنی محفل میں
کہا مانو، مری جاں، درد اُٹھتا ہے مرے دل میں

خدا کی یاد کے پردے میں اِک بت کی پرستش ہے
چھپا رکھا ہے بتخانہ بھی میں نے کعبۂ دل میں

نقوش بوریا ہیں، نقش پا ہیں، نقش باطل ہیں،
ہم اپنی خاکساری سے مٹادینے کے قابل ہیں

لہو روئیں نہ کیوں کر طالب دیدار کی آنکھیں
مقدر کی طرح سے پھر گئی ہیں یار کی آنکھیں

قید میں بھی نہ چھٹا سلسلۂ خاموشی
غل ہوا خانۂ زنجیر سے باہر کس دن ؟
آپ ، فرمائیے ، کب تھے نہ بتوں کے بندے ؟
کشور دل پہ حکومت رہی "قیصر" کس دن ؟

اے جنوں، دست درازی کا تری خوف نہیں :
نہ تو دامن ہوں کسی کا ، نہ گریباں ہوں میں
وعدۂ روز ازل نبھ نہ سکا غفلت سے :
شرم عصیاں سے نہ کیوں سر بہ گریباں ہوں میں ؟
گل ہوا چاہتا ہے غم سے چراغ ہستی :
دم کا مہمان ترا ، اے شب ہجراں، ہوں میں

وقفہ نہیں ہے دم کا بقائے حباب میں
کیا بے ثباتیاں ہیں جہان خراب میں
اِصرار مجھ کو ، وصل سے ، اِنکار ہے اُنہیں :
کیا لطف ہو رہے ہیں سوال و جواب میں !

پڑے سوتے ہیں سب، احوال سوز دل نہیں کہتے :
چراغ زندگی خاموش ہے گور غریباں میں
عبث دیر و حرم کی فکر میں برباد ہوتے ہو ؛
چلو "قیصر" رہو تم خاک بن کر کوے جاناں میں

الٰہی کعبۂ مقصود تک کس طرح پہنچوں گا؟
شکستہ پا ہوں، دور اُفتادہ ہوں، گم کردہ منزل ہوں

چبھے ہیں سر بسر تلووں میں اپنے خار ناکامی
تمنا میں تری، اے حسرت منزل، تڑپتے ہیں

توہی خوشبو اُڑا لائی ہے اُن کے باسی ہاروں کی؛
صبا، ہم تیرے ہی سر آج یہ سہرا سمجھتے ہیں

ہم اپنی جان سے گذرے، تو یہ کھلا عقدہ:
چھپی ہوئی تھی اجل یار کے تغافل میں
خزاں کے آتے ہی گلشن کا رنگ اور ہوا:
نہ عندلیب چمن میں، نہ رنگ ہے گل میں

تجھ کو بے فائدہ اُمید مسیحائی ہے؛
کب دوا تیری وہ اے درد جگر، کرتے ہیں؟

کھلتا نہیں ہے: وہ کسے حیراں بنائیں گے؛
آئینہ بندی کرتے ہیں اپنے مکان میں

ہمارے گھر کا پتا پوچھتے ہیں لوگوں سے؛
کچھ اب تو راہ پہ، اے دل، وہ آتے جاتے ہیں
ہمیں تو اُن کے مقدر پہ رشک آتا ہے
جو اپنے طالع خفتہ جگاتے جاتے ہیں

خدا کے واسطے، اے جذب دل، اُنہیں ٹھہرا؛
غضب ہوا کہ وہ قابو میں آکے جاتے ہیں

ہے ہستیِ موہوم حباب لب دریا   دم بھر کے لیے سر نہ اُٹھا بحر فنا میں

دنیا کے دوں کا رنگ نہیں ایک طور پر:
اِس باغ میں بہار کہیں ہے، کہیں نہیں
اِک خواب ہو گیا ہے مجھے عالم شباب؛
اب ڈھونڈتا ہوں میں، وہ زمانہ کہیں نہیں

تیری دیوار تلے حشر بپا رہتا ہے :
میرے نالوں میں قیامت کا اثر ہے کہ نہیں ؟
حضرت دل شب فرقت میں جو گھبراتے ہیں،
مجھ سے کہتے ہیں کچھ اُمید سحر ہے کہ نہیں ؟

غرور حسن ہے، انکھڑیوں سے چلتے ہیں
وہ مست ناز ہیں، جام شراب ہیں آنکھیں

ساقیا، توڑ نہ شیشے کو، نہ پیمانے کو
باب توبہ کی طرح کھول دے میخانے کو
خون ناحق کا عبث شمع پہ ہوتا ہے گماں،
آتش عشق جلا دیتی ہے پروانے کو

تیرا ہی تو ہے کعبہ و بتخانے میں جلوہ :
توہی نظر آتا ہے میں جاتا ہوں جدھر کو

قصۂ عاشق و معشوق رہے گا تا حشر ؛
جائیں گے پیش خدا دست و گریباں دونو

اِک آن میں ادنیٰ کو بنادیتی ہے اعلیٰ ؛
اللہ کی سرکار ہے ایسی کہ نہ پوچھو
واں آنے میں حجت ہے، یہاں دم ہے لبوں پر :
مشکل مری دشوار ہے ایسی کہ نہ پوچھو
ہکلا کے اُلجھتے ہیں تمہارے لب شیریں :
آپس میں یہ تکرار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

دھجیاں دامن دل تک کی اُڑا ڈالیں گے
اے جنوں، چاک تو کرنے دے گریباں ہم کو

شباب، بال کا باندھا ہوا، چلا آئے ؛
رہے نہ نام کو پیری، خضاب ایسا ہو

پرستش نے تمھاری دین و دنیا سے ہمیں کھویا :
بتو ، کہتی ہے اب ساری خدائی برہمن ہم کو
ہوئے حیراں سحر کو دیکھکر ہم شام غربت میں؛
بہت رویا کئے ، یاد آگئی صبح وطن ہم کو

اے داغ عشق ، خانۂ دل کو فروغ دے ؛
وہ گھر ہے بے چراغ کہ جس گھر میں تو نہ ہو

اے یار ، چھوڑ اپنی تلوّن مزاجیاں ،
دشمن کی دوستی سے ہمارا عدو نہ ہو
آیا ہے بھول کر ، تو ادب دے نہ ہاتھ سے
زاہد ، یہ بتکدہ ہے ، یہاں قبلہ رو نہ ہو

طول ہے روز قیامت سے کہیں بڑھ کے ترا ؛
کب ہے اُمید سحر ، اے شب ہجراں ، مجھ کو ؟
ضعف اب حد سے بڑھا ہے مدد ، اے جوش جنوں ؛
طوق آہن ہے ہر اِک تار گریباں مجھ کو

یہی فتنے جگاتی ہے ، یہی محشر اُٹھاتی ہے
قیامت کے طریقے یاد ہیں رفتار جاناں کو

بزم میں عالم حیرت ہے ترے جلوے سے :
صف کی صف نقش بہ دیوار ہے ، اللّٰہ اللّٰہ !

ساقی سے ایک جام بھی پایا نہ بزم میں ،
ہم پانی پانی ہوگئے اپنے بڑھا کے ہاتھ

کشا کش میں ہیں وہ بھی ، میں بھی مقتل میں تڑپتا ہوں
مجھے ہے زخم دل کی فکر ، اُن کو اپنے پیکاں کی

ہے رنگ مرا نوع دگر ، دیکھ تو لیتے ؛
در پیش ہے جنت کا سفر ، دیکھ تو لیتے

اِک روز تو آجاؤ ' بتو ' کعبۂ دل میں !
کیا نور ہے ' اللّٰہ کا گھر دیکھ تو لیتے
کعبہ ہے وہی ' دیر وہی ' دل بھی وہی ہے
کیوں ٹھوکریں کھاتے ہیں بشر ؟ دیکھ تو لیتے

شہادت تیرے ہاتھوں گر میسر ہو ' تو بہتر ہے !
ترے قدموں پہ اے قاتل مرا سر ہو ' تو بہتر ہے
مجھے سونے نہیں دیتا لحد میں وعدۂ فردا !
اِلٰہی ' آج ہی سامان محشر ہو ' تو بہتر ہے
حرم میں جاکے خالق سے بتوں کا کیجیے شکوا
یہ ذکر خیر ہے ' کعبے کے اندر ہو ' تو بہتر ہے
نہیں اُٹھتی کسی صورت اِلٰہی سختیِ ہجراں
مرا بھی دل بتوں کی طرح پتھر ہو ' تو بہتر ہے
جسے دونوں جہاں کی حق نے بخشی ہے شہنشاہی '
اُسی در کے گدا ' تم چل کے ' "قیصر" ' ہو تو بہتر ہے

رہی نزدیک راہ وادی پرخار تھوڑی سی !
مدد کر ' اے جنوں ' میری دمِ رفتار تھوڑی سی
بہت ہے اشتیاق جلوۂ دیدار آنکھوں کو
دکھاتا ہے تجلّی روزنِ دیوار تھوڑی سی
جہاں تک دیکھنا ہو ' دیکھ لے اُس ماہِ تاباں کو
رہی اب رات بھی ' اے حسرت دیدار تھوڑی سی

بلا سے دم نکل جاتا ' نکل جاتا تہِ خنجر !
مگر جی بھر کے تجھ کو ' اے ستمگر ' دیکھ تو لیتے

بادۂ بیخودی پیا جس نے '   پھر کسی کی اُسے خبر نہ ہوئی
جان لی صدمۂ جدائی نے !   بے ترے زندگی بسر نہ ہوئی
تیرے قامت کا ذکر گھر گھر ہے   یہ قیامت کدھر کدھر نہ ہوئی ؟
زندگی کٹ گئی شبِ غم میں '   نہ ہوئی آخرش سحر ' نہ ہوئی
بے زباں ہے فقط یہ کہنے کو !   شمع خاموش رات بھر نہ ہوئی

ازل سے ہوگیا ابتر مرا مجموعۂ خاطر،
مجھے تقدیر نے اُلجھا دیا زلفِ پریشاں سے
خدا کے واسطے جھٹکا نہ دے، اے گلبدن، اِس کو؛
ہزاروں حسرتیں لپٹی ہوئی ہیں تیرے داماں سے

منظور ہے یہ گردشِ لیل و نہار کو: فرقت کی رات وصل کے دن سے بڑی رہے
"قیصر" نہ جائے دل سے ہجوم غم حسین؛
یہ فوج عمر بھر مجھے گھیرے کھڑی رہے

آنے والے ہیں وہ خبر کے لیے؛ بیخودی آج بیخبر نہ کرے

وہ موحد ہوں کہ دن رات دعا کرتا ہوں:
کوئی دل میں نہ رہے میرے، تو ہی تو ہو جائے

تمہاری زلف پہ سر اپنا جا کے وار آئے:
چڑھا تھا سر پہ یہ سودا، اِسے اُتار آئے

لائے گی اُنھیں کھینچ کے اِک دن کششِ دل
کب تک مرے ملنے سے وہ اِنکار کریں گے

اے صنم بندے ہوئے تیرے، خدا کو بھولے
منہ دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی
پا بہ زنجیر ہوئے ہم، وہ ہوئے پردہ نشیں
اُن سے اب کوئی ملاقات کی صورت نہ رہی

یہ جو سن پایا ہے: سنتے ہیں وہ کچھ حالِ فراق؛
اب یہ پہلو سے دلِ پُر اضطراب آنے کو ہے

زاہد کو پیتے دیکھ کے رندوں نے یہ کہا:
کہیے، مئے طہور کی خواہش وہ کیا ہوئی؟

عدم کے نہ مسدود رستے رہے، زمیں کے تلے شہر بستے رہے
رقیبوں سے وہ روز ملتے رہے، مگر عمر بھر ہم ترستے رہے

یہ دعا ہے مری: جب نزع کا ہنگام آئے ،
نام ہو لب پہ ترا ، دل میں تری یاد رہے

جانب ملک عدم بیٹھے ہیں چلنے کے لیے :
آئے ہیں جامۂ ہستی کے بدلنے کے لیے
اُن کے کوچے سے جو جاتا ہے جنازہ میرا ،
حکم دیتے نہیں کاندھا بھی بدلنے کے لیے
نزع میں حسرت دیدار کا یہ مجمع ہے :
روح گھبراتی ہے آنکھوں سے نکلنے کے لیے

ملتے موسیٰ تو میں کہتا (یہ سوال اچھا ہے) :
طور اچھا ہے، کہ وہ برق جمال اچھا ہے ؟
دیکھنے ہی کے مسیحا ہو تم، اے جان جہاں :
دم ہے آنکھوں میں مرا، کہتے ہو حال اچھا ہے
میں بھی راضی برضا ہوں ، نہ کروں گا شکوہ
آپ جو خوش ہیں اِسی میں، تو ملال اچھا ہے
کر رہا ہے روش باغ جناں کے اوصاف
یہ بھی چلتا ہوا زاہد کا خیال اچھا ہے
مرض عشق مرا کام کیے جاتا ہے :
وہ بہر حال، یہی کہتے ہیں حال اچھا ہے

غول حوروں کے شب معراج، اِتراتے ہوئے :
خلد سے نکلے ، مبارک بادیاں گاتے ہوئے
اے نسیم گلشن طیبہ تصدق میں ترے
جائیں گے ہم باغ جنت میں ہوا کھاتے ہوئے
تیرے بندے کب رکیں گے خلد کو جاتے ہوئے ؟
خط غلامی کا ، چلے جائیں گے، دکھلاتے ہوئے
تیرے گھر میں مجھ کو لے جانا تھا، کعبے لے گئے :
خضر بھی کیا خوب بھٹکے راہ بتلاتے ہوئے ؟
تجھ پہ کیا دھونی رماؤں، اے مدینے کی زمیں؟
فرق آئے گا ادب میں پانو پھیلاتے ہوئے

طیبہ کی سمت لے کے چل، اے جوشش جنوں،
اُلجھا دے واں مجھے کسی صحرا کے خار سے

دے کے سر، لے در قاتل کی زمیں تھوڑی سی
ہمت اے دل، تجھے لازم ہے یہیں تھوڑی سی
در جاناں پہ جو سجدہ نہیں کرنے پاتے،
خاک مل لیتے ہیں بالائے جبیں تھوڑی سی

اُن کا ملنا بھی مسی مل کے بلا ہوتا ہے:
برق گرتی ہے جو یہ ابر گھرا ہوتا ہے
اوج اقبال پہ جب بخت ہما ہوتا ہے
تجھ پہ، اے بادشہ حسن، فدا ہوتا ہے
کیا کہوں، حال شب ہجر میں کیا ہوتا ہے؟
اے بتو، لب پہ مرے نام خدا ہوتا ہے
آدمی قبر میں کس طرح نہ غافل سوئے؟
کیا کرے؟ منزل ہستی کا تھکا ہوتا ہے
زندگی میں تو عیادت کو نہ آئے میری؛
آ کے اب قبر پہ روتے ہو، تو کیا ہوتا ہے؟
ایک سا درد محبت کا ہے گھٹنا بڑھنا:
کم بھی ہوتا ہے، تو کمبخت سوا ہوتا ہے
سر مرا وقف دم تیغ قضا ہوتا ہے:
آج یہ سجدۂ شکرانہ ادا ہوتا ہے

خاک ہوں گے، خاک سے ریگ رواں ہوجائیں گے
اِس طرح محو تلاش رفتگاں ہوجائیں گے
ہیں نظر کے سامنے کونین کے جلوے یہاں؛
وہ کہاں میری نگاہوں سے نہاں ہوجائیں گے؟
چار ہی دن کے لئے آؤ تن مہجور میں
ورنہ ارکان عناصر رائگاں ہوجائیں گے

اُڑا لائی ھے تو خوشبو کسی کے باسی ھاروں کی ؛
یہ سہرا آج ' اے باد بہاری ' تیرے ھی سر ھے

مرا دل دل میں اُس بت کے ھے اُس کا دل مرے دل میں :
کبھی پتھر میں شیشہ ھے ؛ کبھی شیشے میں پتھر ھے

بدن میں جان آجاتی ھے رندان قدح کش کے ؛
ترا دیدار ' اے ساقی ' شرابِ روح پرور ھے

وصال یار کے لے لو مزے ' سیدھا مقدر ھے ؛
حیا بھی آج فرط شوق میں جامے سے باھر ھے

خدا جانے وہ بت ملتا ھے واں بھی یا نہیں ملتا !
چلا تو ھوں حرم سے دیر کو ' آگے مقدر ھے

دلِ اھل صفا ھرگز مکدّر ھو نہیں سکتا ؛
ھر اِک کو ایک سا دیکھے : یہ آئینے کا جوھر ھے

سونے دیا نہ وعدۂ فردا نے قبر میں :
خواب عدم سے چونک پڑے ' اُتھ کھڑے ھوئے

ھر دم ھے اپنی ' منزل مقصود پر نظر ؛
پہنچے عرب میں ھند سے ' جب اُتھ کھڑے ھوئے

مرقد سے سوے حشر طلب جس گھڑی ھوئی
دامن کو اپنے جھاڑ کے ھم اُتھ کھڑے ھوئے

اِک دن تو پائمال کر ' اے آفتاب حسن '
سائے کی طرح ھیں ترے در پر پڑے ھوئے

اے آہ ' جلد شور قیامت دکھا مجھے '
مدت گذر گئی ھے لحد میں پڑے ھوئے

رھے گی واں بھی کیفیت خیالِ چشم ساقی میں ؛
سر کوثر بھی لطف جام صہبا ھم اُتھائیں گے

چھپا رکھیں گے عشق مصحف رخسار کو دل میں ؛
قیامت تک نہ اِس کعبے کا پردا ھم اُتھائیں گے

نہیں معلوم ہوتی پردۂ غفلت میں انساں کو،
قضا روز ازل سے زندگی کے ساتھ آئی ہے

زمیں پہ اوتارہا ہوں، خمار کم کیا ہے؟
بہت ہے، نشۂ مے کا اُتار کم کیا ہے؟

بتو، نہ روگ دو آنکھوں کو اشکباری کا،
یہ ایک عارضۂ انتظار کم کیا ہے؟

ہے سیہ بختیِ قسمت کا اگر طول یہی،
بڑھتے بڑھتے ترے گیسو کے برابر ہو گی
سنتے ہیں، آتے ہیں ملنے وہ گلے، اے "قیصر"
لے مبارک ہو تجھے، عید ترے گھر ہو گی

قاتل، روش نہ سیکھو قیامت کی چال کی،
مٹی خراب ہو گی دل پائمال کی

میرا غبار بام پہ اک ماہ کے گیا:
صورت زوال میں نظر آئی کمال کی

یوں میکدے میں آج مجھے تازہ کام کر:
دے ساقیا، شراب کوئی پار سال کی

طول شب فراق کی کچھ انتہا نہیں
کیونکر امید ہو مجھے روز وصال کی

تم اپنا آج سرِ شام کھول دو جوڑا،
درازیِ شب فرقت کی انتہا ہوجائے

وفا کی شرط قیامت کے روز ہی پہ کرو،
تمہارے وعدۂ فردا کی انتہا ہوجائے

بتوں کے وعدۂ فردا کا اعتبار نہیں:
خدا نخواستہ کل پھر مزاج کیا ہوجائے؟

دیکھو ہلالِ ابروے جاناں، پیو شراب:
اے بادہ خوارو، عید کا روزہ حرام ہے

ہوا ہے خلق، جہاں میں، ہر اک فنا کے لیے:
بقا فنا کے لیے ہے، فنا بقا کے لیے
میں ابتدائے محبت میں ہجر کے صدمے:
کچھ انتہا بھی ہے، ظالم، تری جفا کے لیے؟
میں کس اُمید پہ فرقت میں زندگی کاٹوں؟
کہ کوئی وقت معین نہیں قضا کے لیے
جو آئے ہو مرے گھر میں، تو کچھ ہنسو بولو:
نہ بت بنے ہوئے بیٹھے رہو خدا کے لیے
نہ پایا دیر و حرم میں بھی آپ کو ڈھونڈھا:
کہیں جگہ نہ ملی عرض مدعا کے لیے

شمع مدفن روتی ہے جن کے لیے
سو رہے ہیں وہ اندھیری گور میں'

کوئی بیٹھا ہے 'ادھر اُدھر ہے کوئی 'سکتے میں ہے کوئی
وہ جب سے جلوہ گر ہیں' انجمن کچھ اور کہتی ہے
رہی باقی نہ پروانوں کو اب امید دلسوزی ؛
جلی ہے جب سے شمع انجمن' کچھ اور کہتی ہے

یہاں ' واعظ ' نہ کر دنیا میں رہ کر حال عقبیٰ کا ؛
یہاں کا اور عالم ہے ' وہاں کا اور عالم ہے

صدائے خندۂ گل سے تری فرقت میں روتا ہوں '
گلستان جہاں نظروں میں میری بزم ماتم ہے

بتو ' کیا کارخانے ہیں خدا کے ؟
حرم میں یوں رہو تم گھر بنا کے ؛

نہ وعدے کیجیے روز جزا کے
قیامت تک نہ مانوں گا میں' اے جاں'

سر پیٹ کے کٹتی ہے شب تار کسی کی
زلفوں کے بنانے میں بسر کرتا ہے کوئی ؛

ناز کہتا ہے کہ چلیے حشر برپا کیجیے '
ہے قیامت آپ کی رفتار کس دن کے لیے ؟

دیکھتے ہو مجھے ؟ دیدار کی حسرت کیا ہے ؟
آج گھونگھٹ جو اُٹھا دو تو قباحت کیا ہے ؟

اے ستمگر ' نہ سہی دور کی آفت نہ سہی'
تیرا قامت تو ہے موجود ' قیامت نہ سہی
رنج کے ' درد کے ' دوری کے ' اُٹھائے صدمے
کون سی ہم نے محبت میں مصیبت نہ سہی ؟
اے جنوں' چاک گریباں سے غرض ہے تجھ کو ؛
ہاتھ چلتے رہیں گے' پانو میں طاقت نہ سہی

منہ پر نقاب ڈال کے آتے ہیں میرے پاس
دیتے ہیں مجھ کو شربت دیدار چھان کے

اپنی ناکامی سے برباد رہے دنیا میں،
خاک بھی ہوکے نہ ہم آپ کے در تک پہنچے
آب دانے کی کشش ہو گئی دشمن آخر
پھنس کے ہم دام میں صیاد کے گھر تک پہنچے
شکر صد شکر نمازوں میں کٹی راہِ حرم
بیٹھتے اُٹھتے ہم اللّٰہ کے گھر تک پہنچے

عدم کا راستہ کیونکر کٹے گا ؟ گنہ کا بوجھ ہے، منزل کڑی ہے

صورت سبزہ ہم رہے پامال، باغ عالم میں سر اُٹھا نہ سکے
خانۂ دل میں آگ فرقت کی وہ لگا تو سکے، بجھا نہ سکے
رکھنے پائے نہ سر ترے در پر؛ اپنی تقدیر آزما نہ سکے

ناتوانوں کی ترے خاک نہ ہوگی برباد
چشم بد دور ہیں نیچے ترے دامن کتنے ؟

کعبے میں ڈھونڈھتا ہے کوئی، کوئی دیر میں:
اُس بت کی جستجو میں خدائی خراب ہے
تا حشر خفتگان عـــدم چونکتے نہیں
سچ ہے یہی کہ موت، قیامت کا خواب ہے
روز جزا کا ڈر ہے، نہ خوف حساب ہے؛
بد مست تیرے دور میں ہر شیخ و شاب ہے

ہوں دفن ترے در پہ، تمنا تو یہی ہے؛ آگے مری تقدیر، ارادا تو یہی ہے
اغیار مرے خط کو پڑھیں، وائے مقدر، کیا کیجیے، تقدیر کا لکھا تو یہی ہے

صندل سے کام ہے، نہ غرض درد سر سے ہے؛
اے بت، جبیں کو لاگ ترے سنگ در سے ہے
اے خضر کس طریق سے رستہ حرم کا لوں ؟
کعبے کی راہ بھی تو اُسی بت کے گھر سے ہے

مرے گناہ تری رحمت سے بڑھ نہیں سکتے،
مرے کریم، یہ پھر کیوں حساب ہوتا ہے ؟

قصیدہ

جشن جوبلی ملکہ وکٹوریا

جو بخت خواب میں جاگا تو آگیا یہ خیال
کہ لکھ قصیدہ وہ جس کا جہاں میں ہو نہ مثال
ہو مدح ایسے شہنشاہ ہفت کشور کی
ہے رشک مہر مبین جس کا کوکب اقبال
ملا یہ مژدہ مجھے جب کہ خضر قسمت سے
تو میں نے اُس سے بصد آرزو کیا یہ سوال
پتا بتا مجھے ممدوح کا نشان بتا
کہ تا میں گوہر مقصود سے ہوں مالا مال
کہا یہ اُس نے شہنشاہ ملک و قیصر ہند
بڑھی ہے نور تاباں سے جس کی شان جلال
اُسی شہنشہ عالی کا جشن جبلی ہے
کہ جس کو تخت حکومت پہ ساٹھواں ہے سال
جوہیں یہ خوش خبری تابگوش دل پہنچی
ہوئی زبان کو اس کام کی' دہن میں مجال
ہوئے مدد کے لیے فکر و ذہن بھی موجود
فلک سے آ کے مضامین ہوئے شریک حال
جو مجھ کو فضل خدا سے یہ مل گئے ساماں
اُڑا ہمائے طبیعت بھی کھول کر پر و بال
گذر گیا وہ بلندی سے چرخ چارم کی
زرا ترقّی کو دیکھیں تو اِس کی اہل کمال
لکھے وہ مطلع روشن کہ جس کے پرتو سے
بنا ہے مہر جہاں تاب ذرّے کی تمثال
وہ سعد ہے ترا سایۂ شہ ستودہ خصال
پڑے گدا پہ تو پائے ہُما کا وہ اقبال
ہوئی ہے محو دلوں سے سخاوت حاتم
ہے جود فیض سے ہر ایک شخص مالا مال

پڑے اگر نظر کیمیا اثر تیری
مثال کوہ طلا دم میں ہوں جہاں کے جبال
مدد کرے تری جرأت اگر سر میداں
شکار شیر کا کرنے لگے جھپٹ کے غزال
جلائے خرمن جان عدو کو اک دم میں
جو برق تیغ شرر دم کرے بوقت جدال
فلک بھی خم پئے تسلیم ہے ازل سے یونہیں
جھکا رہا ہے سر بندگی ادب سے ہلال
جو دیکھ لے وہ پرنور کی وہ جلوہ گری
فلک کو جادے پہ ہو جائے کہکشاں کا خیال
ملے جو اوج تری درگہ معلّیٰ سے
ابھی ہوا پہ اُڑیں طائران بے پر و بال
گھسی ہے جب در پرنور پر جبیں اُس نے
ملا ہے مہر کو تب اِس طرح کا اوجِ کمال

قطعہ

زہے اجلال کیا رفعت ہے نقش پائے احمد کی
کہ جس کے سنگ کو اسود کا ہم ہم‌سنگ پاتے ہیں
شب معراج پہنچے پانو یہ عرش معلّیٰ پر
یہی قرآں میں قوسین کے معنی بتاتے ہیں
بڑا رتبہ ہے اُس کا جس کے گھر میں جلوہ فرما ہوں
سروں کے بل زیارت کو ملک اِس گھر میں آتے ہیں
جگہ دیتے ہیں اپنے خانۂ دل میں اُنھیں "قیصر"
خلیل اللہ سے کہدو کہ ہم کعبہ بناتے ہیں

مخمس

غزل " آتش "

رنگت دکھائی گلشن جنت مقام کی
شہرت مصوروں میں ہوئی اُس کے کام کی

اے چشم دیکھ ہے یہ روش انتظام کی
تصویر کھینچی اُس کے رخ سرخ فام کی
اِک صفحے میں قلم نے گلستاں تمام کی

پہنچے خموشیِ لبِ ناداں سے کیا گزند
کرتے ہیں واہ واہ وہی ' ہیں جو حق پسند
رہتا ہوں محبت ملکوتی سے بہرہ مند
گھر سے خدا کے ملتے ہیں مضموں مجھے بلند
فکرِ رسا کمند ہے کعبے کے بام کی

اِس تھوڑی سی بساط پہ کیوں کر نہ آئے رشک
خلعت یہ ہاتھ آیا ہے اِس کو برائے رشک
کیوں دامن کفن پہ نہ ہوں داغہائے رشک
باغ جہاں میں گل کی قناعت ہے جائے رشک
عمر دو روزہ ایک قبا میں تمام کی

مخمس

غزل " اعظم "

آہ سوزاں بھی عجب طرفہ بلا ہوتی ہے
رعد چلاتا ہے جس وقت بپا ہوتی ہے
واں پہنچتی ہے تو بجلی بھی ہوا ہوتی ہے
خوب آہ دل بیتاب رسا ہوتی ہے
میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے

دودِ دل کا مرے اب قوس قزح سے ہے عبور
اے مہ برج شرف وے بت غارتگر حور
دولت عشق تو ہے گو میں نہیں فی مقدور
جانیو مانگ کے سودے میں نہ مجھ کو مجبور
کہکشاں تک تو مری آہ رسا ہوتی ہے

طرفہ انداز جفا ہے عوض لطف و کرم — بڑھ گئے اُن کے کہیں حد سے سوا جور و ستم
اور تو اور پھڑک جاتا ہے اِس بات پہ دم — سر فدا کرنے کی جانباز سے لیتے ہیں قسم
ہاتھ رکھواتے ہیں شمشیر ادا کے اوپر

مدت نقش کف پا مجھ کو بنایا تم نے	خاک میں خاک نشینوں کو ملایا تم نے
رحم کیا ہاتھ بھی مطلق نہ لگایا تم نے	گر پڑا میں تو زمیں سے نہ اُٹھایا تم نے
آسماں ٹوٹ پڑا مہر وفا کے اوپر

مخمس

غزل نواب عبدالعزیز خاں

برق اندازیاں کرتی ہے سیاہِ شب ہجر
دیکھئے گرم ہے کس درجہ نگاہِ شب ہجر
آتش افروز ہوئی شام سیاہِ شب ہجر
چرخ پر آگ لگانے لگی آہِ شب ہجر
صورت مہر ہوا سوختہ ماہِ شب ہجر

نام کو بھی نظر آیا نہ کہیں نور ظہور
نہ گھٹی طول میں، رنگت میں بھی آیا نہ فتور
سب یہ حالات گذرتے رہے آنکھوں کے حضور
نہ درازی میں کمی کی نہ سیاہی میں قصور
ہیں مرے دیدۂ بیدار گواہِ شب ہجر

مجھ کو ہی تاک لیا ہے مرا دم بھرتی ہے
پانو کے بدلے رہِ شوق میں سر دھرتی ہے
میرے ہی خانۂ تاریک پہ یہ مرتی ہے
شام کے ہوتے ہی ہر روز کرم کرتی ہے
گھر مرا ہی ہے مگر زیر نگاہِ شب ہجر

آسی

عبدالعلیم " آسی " سکندرپور ضلع بلیا کے رہنے والے ' ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے - طالب علمی ہی کے زمانے سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی - اعظم علی " اعظم " سے تلمّذ تھا - پچاسی برس کی عمر پاکر ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی - یہ اپنے وقت کے باکمال بزرگ ' جید عالم اور حاذق طبیب تھے - ایک مختصر دیوان " عین المعارف " ان کی وفات کے بعد آسی سال مطبع سلیمانی بنارس سے شائع ہوا ہے [۱] -

کلام میں " ناسخ " اور " رشک " کا تتبع کیا ہے - شوخی ' بلند پروازی بیساختگی ' مناسب و موزوں الفاظ کی تلاش پائی جاتی ہے [۲] - تغزل میں جابجا تصوف کا فلسفہ نظر آتا ہے - الفاظ کا اہتمام خوب کرتے ہیں - نعت اور مدح میں ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا -

غزلیات

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا

رشک خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو
کوئی دلبر بھی اسی دل کے مقابل دینا

درد کا کوئی محل ہی نہیں جب دل کے سوا
مجھ کو ہر عضو کے بدلے ہمہ تن دل دینا

---

[۱]—دیباچہ " عین المعارف " (دیوان آسی) - [۲]—خمخانۂ جاوید ج ۱ ' ص ۶۴ ' ۶۵ -

اُسی کے جلوے تھے لیکن وصال یار نہ تھا
میں اُس کے واسطے کس وقت بیقرار نہ تھا

خرام جلوہ کے نقش قدم تھے لالہ و گل
کچھ اور اِس کے سوا موسم بہار نہ تھا

وفورِ بیخودیِ بزم مے نہ پوچھو ' رات
کوئی بجز نگہِ یار ہوشیار نہ تھا

لحد کو کھول کے دیکھو تو اب کفن بھی نہیں
کوئی لباس نہ تھا جو کہ مستعار نہ تھا

نقش پا کو کوئی اُٹھا نہ سکا دیکھنا زور ناتوانی کا
غیر کا اب گذر نہیں دل تک عشق عہدہ ہے پاسبانی کا
نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل کچھ نہ پایا مزا جوانی کا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
بلبل نے نالے کھینچے میں زار زار رویا

مقدر میں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے
کہ اِک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا

رتبہ پایا ہے محبت میں تو اب دل کو سنبھال
گر پڑے گا صفت برق جو بیتاب ہوا

جس نے دیکھا تجھے کیا خاک لگے آنکھ اُس کی
دیدۂ رخنۂ دیوار بھی بے خواب ہوا

شعر وہ نور سے لبریز پڑھے " آسی " نے
حلقۂ اہل سخن ہالۂ مہتاب ہوا

پیش ناصح اور اتنی بیقراری کیا کہوں
سامنے وہ آگیا وقت شکیبائی نہ تھا

حد حیرت دیکھتا تھا اپنی' آرائش کے ساتھ
آئینہ خانے میں وہ محو خود آرائی نہ تھا

بسانِ آسیا پائے توکّل کو نہ لغزش دے
کہ ملے میں آرہے گا خود بخود تقدیر کا دانا

حالت دل خاک میں کہتا کہ تا ہنگام مرگ
آپ کا شکر جفا یا شکوۂ تقدیر تھا
عشق کیا کیا نسبتیں کرتا ہے پیدا حسن سے
زلف اگر شبرنگ تھی نالہ مرا شب گیر تھا
وہ مصور تھا کوئی، یا آپ کا حسن شباب ؟
جس نے صورت دیکھ لی اِک پیکر تصویر تھا

سجدۂ در جو تمہارا نہ میسر ہوتا وہی ہم ہوتے، وہی سر، وہی پتھر ہوتا
تم اگر جاتے کہیں آکے مرے پہلو سے نالہ شرمندہ نہ، سینے سے نکل کر ہوتا
مرگیا "آسیؔ" دلگیر بھی اِنا للّٰہ
مرض عشق سے کوئی بھی تو جانبر ہوتا

ہم تو ڈرتے تھے کدھر حکم قضا نے بھیجا
پیارے، اے بت، ترے کوچے میں خدا نے بھیجا
موقعِ کسب کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے جلوے دنیا میں خدا نے بھیجا
"آسیؔ" نامہ سیہ، لائق دوزخ بھی نہ تھا
خلد میں اُلفت شاہ شہدا نے بھیجا

سلوک راہ وفا میں فنا کے طور ہیں اور
جو آپ مار کے تیشہ مرا تو جھک مارا
نہ پوچھو حالت دل اُس فریق حسرت کی
دکھائی دے جیسے ایک ایک قطرے میں دھارا
فراق یار کی طاقت نہیں، وصال محال
کہ اُس کے ہوتے ہوئے ہم ہوں یہ کہاں یارا
اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے، "آسیؔ" کلام نا کارا

چھری بھی تیز ظالم نے نہ کر لی　　بڑا بے رحم ہے قاتل ہمارا
نہ آنا ہم تمہارا دیکھ لیں گے　　جو نکلا جذب دل کامل ہمارا
محیطِ جلوۂ بیرنگ ہے دل　　کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا

ذوق غم و اندوہ محبت کے میں صدقے
جو داغ دیا تم نے وہ جانانۂ دل تھا

ذلت اگر دلیل کمالاتِ عشق ہے　　"آسی" سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

نالہ کس جس کے لیے ہر باغ ہر گلشن میں تھا
خوب جو دیکھا وہی گل میرے پیراهن میں تھا
اِس تمنا میں کہ شاید اُن کے دل تک راہ ہو
اِس عداوت پر بھی میں برسوں دل دشمن میں تھا

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا
هائے اے وہم غلط اب تک میں دور اُفتادہ تھا

غش میں اِس طرح گریں حضرت موسیٰ سے نبی
جلوۂ طور ضرور آپ کی تصویر میں تھا
اے لحد ، ہائے وہ بیتابیِ شبہائے فراق
آج آرام سے سونا مری تقدیر میں تھا

اِتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا　　اور اِس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا
اُس کا پتا کسی سے نہ پوچھو، بڑھے چلو　　فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اُٹھا ہوا
گلرویوں کے خیال نے گلشن بنا دیا　　سینہ کبھی مدینہ ، کبھی کربلا ہوا

پلائی ہے ساقی نے کیسی شراب　　کہ جو رند تھا پارسا ہوگیا

نہ گرے اُس نگاہ سے کوئی　　اور اُفتاد کیا مصیبت کیا
نقد ہستی نثارِ یار کرے　　یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا
جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہیں　　هجر میں زندگی کی مدت کیا
"آسیِ" مست کا کلام سنو
وعظ کیا ، پند کیا ، نصیحت کیا

سوے جنت مجھے اِس کوچے سے کیوں لے جاتے
جان دی آپ پر، اے جان، گنہگار ہوا
ہمت اُس کی ہے، دل اُس کا ہے، جگر اُس کا ہے
جان کو بیچ کے تیرا جو خریدار ہوا

کچھ خبر کوچۂ جاناں کی بھی ہے، اے واعظ،
عشق بازوں کی ہے جنت تری جنت کے سوا

سخت دشوار تھی معشوق سے عاشق کی شناخت
وصل کی رات نہ تھی، تھی وہ طلسمات کی رات
کچھ ہمیں سمجھیں گے، یا روز قیامت والے
جس طرح کٹتی ہے اُمید ملاقات کی رات
اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں "آسی"
ہے شب گور بھی اُس گل کی ملاقات کی رات

کوئی دشمن ہو "آسی" یا مرا دوست — ہیں سب کا دوست کیا دشمن ہو کیا دوست
قریب عالم صورت سے بچنا — نہیں کوئی کسی کا جز خدا دوست

وہاں پہنچ کے یہ کہنا، صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اِس طرح ٹالا
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بار عام کے بعد
طلب تمام ہو، مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
پیام بر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہم کلام ہو اُس سے مرے کلام کے بعد

نہ چھانی مشت خاک اپنی کسی نے — ہے دل ہی میں رہ کوئے محمد

میں دل سے اُس شیخ کا ہوں قائل کہ میکدے میں پڑھے تہجد
اذانیں مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہوکر

فراق میں اِس قدر نہ تڑپو، ابھی تمھیں کچھ خبر نہیں ہے
بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر
نگاہیں برچھی نہیں ہیں اُن کی، کہ غمزہ اُن کا نہیں ہے خنجر؟
کریں گے اقرارِ خون "آسی" کبھی تو وہ لاجواب ہو کر

نہ میرے دل، نہ جگر پر، نہ دیدۂ تر پر،
کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر
گناہ گار ہوں میں، واعظو، تمھیں کیا فکر؟
مرا معاملہ چھوڑو شفیعِ محشر پر

مرا سفینہ تلاطم میں بحرِ عشق کے ہے
مزا تو جب ہے خدا آئے ناخدا ہو کر

حسن کی کم نہ ہوئی گرمیِ بازار ہنوز
نقدِ جاں تک لیے پھرتے ہیں خریدار ہنوز

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کی طرف
دھار خنجر کی فقط عاشقِ بیدل کی طرف
ترکِ دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آساں
چھوڑ کر سہل، عبث جاتے ہیں مشکل کی طرف

لب بلب ہے آج تجھ سے تیرے مستانے کی خاک
خوب پہچان، اے بتِ مے نوش، پیمانے کی خاک
تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے، او بادِ صبا،
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

لڑواؤگے کبھی نہ کبھی عندلیب سے
اُس کے سوا تو قابلِ اُلفت کوئی نہیں

گالوں میں رنگِ گل ہے تو بالوں میں بوئے گل
بلبل نے کردیا مجھے مشتاقِ روئے گل

سوگند بے دلوں کی تجھے، اے خدائے دل،
تم اور دل میں، اب تو کہوں گا پکار کر
رہتے ہو دل میں، واقفِ اسرارِ دل ہو تم

دینا ہو کچھ مجھے تو نہ دینا سوائے دل
دل کی نہ ابتدا ہے نہ ہے انتہائے دل
پورا کرو بغیر کہے مدعائے دل

اللہ رے نور سجدۂ شوق ! مہ رو تم ہو تو مہ جبیں ہم

ادب آموز نکلا عجز راہ آشنائی میں
حباب آسا میں آنکھوں سے چلا بے دست و پائی میں
برا کیوں مانیں ہم جو بھیس چاہو شوق سے بدلو
ہماری ہی نمائش ہے تمہاری خود نمائی میں
دل درویش کی گردش ہے دور جام جمشیدی
مذاق سلطنت پایا ترے در کی گدائی میں

رات اتنا کہہ کے پھر عاشق ترا غش کر گیا
جب وہی آتے نہیں میں آپ میں آتا ہوں کیوں

جھوٹ کیوں کہتا ہے اے قاصد کہ وہ آتے نہیں
وہ اگر آتے نہیں ہم آپ میں آتے ہیں کیوں
یا تو اہل دل سے تھا ہر دم سوال درد دل
اب ہجوم درد ہے دل میں تو گھبراتے ہیں کیوں
جائے حیرت ہے طلسم اتحاد حسن و عشق
آئینہ جب دیکھتے ہیں ہم تجھے پاتے ہیں کیوں

بلاؤں بگولا وہ خاک ہوں میں ، بہوں لہو بن کے ہوں وہ پانی ؛
جلاؤں قسمت وہ آگ ہوں میں ، اڑاؤں خاک اپنی وہ ہوا ہوں

عرش ہے دل میں نہ مسجد ہے نہ کعبا دل میں
سب سہی یار مگر گھر ہے تمہارا دل میں
اے خیال رخ گلرنگ چلا آ دل میں
پھول بھردے صفت شیشۂ صہبا دل میں
نہ تڑپ اِس قدر اے عاشق مضطر ، نہ تڑپ
دھیان اُس کا نہ کہیں ہو تہ و بالا دل میں
کار امروز بفردا مگذار ، اے " آسی "
آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل میں

جو دیا تو لے وہ سب چھین لیا عاشق سے
شکر اِس کا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں

ہے اُس میں اور ہم میں آفتاب و شمع کا عالم
وہ جب تک آئے آئے آپ دنیا سے گذرتے ہیں

نتیجہ زندگی کا عشق بازی کے سوا کیا ہے
حقیقت میں وہی جیتے ہیں بس، تجھ پر جو مرتے ہیں

نہ وہ بیتابیِ دل ہے، نہ وہ بے خوابیِ فرقت
لحد میں چین سے عاشق پڑے آرام کرتے ہیں

دل بہ مدعا پایا، جو دولت ہو تو ایسی ہو
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا، قناعت ہو تو ایسی ہو

فرشتے سر جھکائیں تیرے سجدے کو تواضع سے
سن او مٹی کے پتلے آدمیت ہو، تو ایسی ہو

جہاں ملنے کی ٹھہرے مجھ سے، میں بھی اے صنم گم ہوں
سوا تیرے نہ ہو کوئی، وہ خلوت ہو تو ایسی ہو

تمھیں کثرت سے نفرت، اور محو ذوقِ وحدت ہو
کچھ اِس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو

نہ ستّاری کو شرم آئے نہ غفّاری کو غیرت ہو
قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دے بیگانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تیری صورت ہو

تم نہیں کوئی، تو سب میں نظر آتے کیوں ہو؟
سب تمھیں تم ہو تو پھر منہ کو چھپاتے کیوں ہو

جب نہیں غیر کو دیدار دکھانا منظور
صفتِ پردۂ در ہم کو اُٹھاتے کیوں ہو

صاف دیکھا ہے کہ غنچوں نے لہو تھوکا ہے موسم گل میں اُلٹھی کوئی دلگیر نہ ہو
جس کو دیکھا اُسے چھاتی سے لگائے دیکھا دل جسے کہتی ہے خلقت، تری تصویر نہ ہو

ٹکڑے ہوکر جو ملی کوہکن و مجنوں کو — کہیں ایسی ہی وہ پھوٹی ہوئی تقدیر نہ ہو

کار سازا ' یہی "آسی" کی دعا ہے تجھ سے :
کام میرا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

کہاں دل اور کہاں اُس کے حسن کا جلوہ
کیا ہے عشق نے کوزے میں بند دریا کو
ہوا کے رخ تو زرا آکے بیٹھ جا' او قیس '
نسیم صبح نے چھیڑا ہے زلف لیلیٰ کو
کمی نہ جوش جنوں میں' نہ پانو میں طاقت
کوئی نہیں جو اُٹھا لائے گھر میں صحرا کو
ہماری حسن پرستی محل طعن نہیں
کہ چشم قیس سے دیکھا ہے روے لیلیٰ کو

کوئی تو پی کے نکلے گا اُڑے گی کچھ تو بو منہ سے
در پیر مغاں پر مے پرستو' چل کے بستر ہو
تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری رندی و مستی
وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہوں دور جام کوثر ہو
کبھی تم نے بھی چاہا ہے کسی کو لو تمھیں کہہ دو
نہ آؤ تم مرے پاس' اور صبر آئے یہ کیوں کر ہو

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا
خواب میں بھی تو میسر ہو یہ دولت مجھ کو
کیا خبر تھی کہ اُنھیں کے ہیں کرشمے سارے
شکوۂ غیر کی ہے اُن سے ندامت مجھ کو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو — معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
ہمت ہے تو راہ مختصر ہے — اے تنگ طلب بس اُٹھ کھڑا ہو
نکلا ہے کوئی تو اُن کے در سے — یا رب میرا وہ مدعا ہو

آخر اِک دن' اے گل تر' دیکھ مرجھانا پڑا — اِس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

سوتا ہے اُسی نیند میں غافل ابھی "آسی"
اپنے قدم پاک کی ٹھوکر سے جگا دو

جو کہیں ہم زباں سے ' ہو جائے
منہ میں لیکن کہیں زباں بھی ہو

جو ہو سکے ' تو جیے اِس طرح زمانے میں
کہ مر بھی جائے تو مرگ اُس کی زندگانی ہو

گھٹ گئی وصل میں' فرقت میں بڑھی تھی جتنی
رات عاشق کی کبھی دن کے برابر نہ ہوئی

نہ سنتے تم جو دشمن کی زبانی
بہت دلچسپ تھی میری کہانی

گلا حاضر ہے ' لیکن فائدہ کیا ؟
کہ ظالم تو ہے میری زندگانی

تسلّی کل کے وعدے پر غضب ہے
غم عشق اور اُمید زندگانی

کہاں یوسف کہاں وہ روے زیبا
خدا کو ہے مجھے صورت دکھانی

یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر
محبت اور مرگ ناگہانی

علم کر خلد میں بھی خنجر ناز
تصدق ہے حیات جاودانی

خوف دوزخ ' نہ حرص جنّت کی
بے غرض میں نے تجھ سے اُلفت کی

دیکھیے ٹوٹتا ہے دم کہ نہیں
آزمائش ہے آج طاقت کی

گھر چھٹا' شہر چھٹا ' کوچۂ دلدار چھٹا
کوہ و صحرا میں لیے پھرتی ہے وحشت دل کی

جس سے پیوند کیا پائی شکستہ خاطر
ہائے تقدیر ! یہ پھوٹی ہوئی قسمت دل کی

راستہ چھوڑ دیا اُس نے اِدھر کا "آسی"
کیوں بنی رہ گذر یار میں تربت دل کی

عہد شباب عہد وفائے نگار ہے
کتنا ہی پائدار ہو ' نا پائدار ہے

فانی ہے، گردش فلک بھی ہمارے ساتھ
ساری ہمیں سے دشمنیِ روزگار ہے

عشق و ہوس میں حسن کو تمیز چاہیے
مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے

ذوق ادا و ناز کہاں' بیخودی کہاں؟
اب تو شراب وصل بھی کچھ ناگوار ہے

مستی میں کوئی راز جو "آسی" سے فاش ہو '
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

اے شمع ' ایک شعلے نے تجھ کو کیا تمام
ہر قطرۂ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

صبحدم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
ہائے اِس محفل میں ہم آئے تھے رونے کے لیے

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے   اے مرے رشکِ گل، کہاں تو ہے؟
تجھ کو دیکھے، پھر آپ میں رہ جائے   دل پر اِتنا کسی کو قابو ہے؟

وہ رہرو ہوں میں صورت نکہت گل   جسے خار رہ کا بھی کھٹکا نہیں ہے
مگر سر کے بل چلتے ہیں اُس گلی میں   نشان قدم کوئی پیدا نہیں ہے

دل کی قیمت سے ہیں کونین بھی کم
ہمت اب اِس میں خریدار کی ہے

پڑے ہیں صورت نقشِ قدم، نہ چھیڑو ہمیں
ہم اور خاک میں مل جائیں گے اُٹھانے سے

ظاہر میں تو کچھ چوٹ نہیں کھائی ہے ایسی؛
کیوں ہاتھ اُٹھایا نہیں جاتا ہے جگر سے؟

بسان شمع سوز غم میں کیا اِخفائے گریہ ہو
گلے کا ہار ہو جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے

بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوہ آشکار
گھونگھٹ اُس پر وہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
فتنہ زار حشر سب سمجھے ہیں جس میدان کو
دامن ناز نگہ کا گوشۂ جلبیدہ ہے
حشر میں منہ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے ہائے
"آسی" گستاخ کا ہر جرم نا بخشیدہ ہے

ترچھی نگاہ تیغ جدائی سے تیز ہے
عاشق کی مرگِ سہل وہ دشوار کیوں کرے
موسیٰ اگر ملیں، تو یہ ہے پوچھنے کی بات:
دل ہی نہ ہو، تو حسرت دیدار کیوں کرے

خوصلہ تیغ جفا کا رہ نہ جائے   آئیے خون تمنا کیجئے

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ سجدا کیجیے
راہ تکتے تکتے "آسی" چل بسا
کیوں کسی سے آپ وعدا کیجیے

میری آنکھیں اور دیدار آپ کا ؟ یا قیامت آگئی، یا خواب ہے

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
جب اُس کوچے کی حاصل تھی گدائی خداوندِ زمین و آسماں تھے
اُٹھے ہم، اُٹھ گیا پردہ دوئی کا ہمارے اُس کے بس ہم درمیاں تھے
نہ نکلی بات منہ سے صورت شمع زباں ایسی تھی گویا بےزباں تھے

وہ حال اِس طرح پوچھتے ہیں کہ اُن کو گویا خبر نہیں ہے
تجاہل ایسا ہے درد دل سے کہ دل میں جس طرح گھر نہیں ہے
نہ کیوں ہو دل کو یقین پیدا شہادت اُن کی ہے غیب اُن کا
نقاب منہ پر نہیں ہے لیکن کسی کو تاب نظر نہیں ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر درد الفت کہیں محتاج دوا ہوتا ہے
دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے قطرہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے
جس میں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی یہ قیامت ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے

لذت اِک گونہ چاہیے مجھ کو کیا وہ دل بھی دُکھا نہیں سکتے؟
وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا جس کو ہم آزما نہیں سکتے
مانگتے موت کی دعا، لیکن ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے

لی عدم میں کشتی عمر رواں مجھے پہنچا دیا ہے بیٹھے بٹھائے کہاں مجھے؟
حق پوچھیے تو بات تھی انصاف کی یہی نام عدو لیا تو کہا بدزباں مجھے
باغ جہاں میں طائر رنگ پریدہ ہوں خوف قفس ہے کچھ نہ غم آشیاں مجھے
کی عدم سے لے بھی چلی جانب عدم کیسی رفیق رہ ملی عمر رواں مجھے

کیا راہ طلب مرکے بھی طے ہوتی ہے، "آسی"؟
آسودگی حرفیست؛ یہاں ہے، نہ وہاں ہے

میری آنکھیں اور اُس کی خاک پا، تیرے کوچے کا اگر رہبر ملے

کچھ نہ پوچھو کیسی نفرت ہم سے ہے ہم ہیں جب تک، وہ ہمیں کیونکر ملے؟

"آسی" گریاں ملا محبوب سے

گل سے شبنم جس طرح رو کر ملے

ہے صید فنا، جو ہدف تیر نظر ہے چھیڑو مرے سینے کو: نہ دل ہے، نہ جگر ہے

ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گذر ہے

وہ دور چلا جام مے بیخبری کا ہم وہ ہیں کہ وہ ہم؛ نہیں اتنی بھی خبر ہے

پہنچوگے اسی کوچے میں جس راہ سے جاؤ جو راہ ہے اس کوچے کی بیخوف و خطر ہے

ہم بزم ہو رقیب تو کیوں کر نہ چھیڑیے آہنگ ساز درد کہ نالا کہیں جسے

پیمانۂ نگاہ سے آخر چھلک گیا سر جوش ذوق وصل، تمنا کہیں جسے

غش نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ، دیکھیے!

میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوا دیکھیے

آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی میری زندگی

لیجیے مرتا ہوں اب مرنا میرا دیکھیے

رات "آسی" کہتے تھے اپنے سیہ خانے کو گور

جیتے جی مر جاتے ہیں عاشق: تماشا دیکھیے

اجی دل میں اتر آؤ کسی دن مری آنکھوں پر اپنے پانو دھر کے

لحد میں اب نہ چھیڑو، اے فرشتو، ستائے ہیں کسی کے عمر بھر کے

برنگ شمع ٹھنڈا بھی کر، اے صبح، جلائے ہیں کسی کے رات بھر کے

سب یہ جانیں کہ غزل "آسی" مدہوش کی ہے

شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تر نکلے

یہ کہہ کہہ کے اس نے مٹایا مجھے کہ جو کھو گیا اس نے پایا مجھے

مخمس

وقت آخر میں تیرے مضطر کے نہ جیا کوئی عاشقی کر کے

اب بھی کہتا ہے آہیں بھر بھر کے کون جیتا ہے، اے صنم، مر کے

آؤ تو دیکھ لوں نظر بھر کے

جھک کے لیٹنا وہ ہائے تیرے قدم ٹھوکریں مارنا ترا پیہم
مر کے بھی اے صنم خدا کی قسم سر کو ٹکراتے ہیں لحد میں ہم
لطف بھولے نہیں ہیں ٹھوکر کے

قصیدہ

مدح نواب کلب علی خاں' والی رامپور

کہاں ترا کوئی بحر وجود میں ثانی حباب ' دیدۂ اہل نظر میں ہے پانی
زوال صورت اشیا ہے صورت ہمہ اوست غرض کہ ہیچمدانی ہوئی ہمہ دانی

نہ جان دیکے بھی ہم سمجھے وائے نادانی کہ تھا وہی لب جاں بخش دشمن جانی
تمہیں نہ دل میں چلے آؤ' دیکھ لو سب حال نہیں ہے قابل اظہار درد پنہانی

ہوا ' نہ برق' نہ آندھی یہ سب مثال غلط مری نظر میں تو گھوڑا ترا ہے لا ثانی

رباعیات

غنچے' تجھے میری دلفگاری کی قسم شبنم ' تجھے میری اشکباری کی قسم
کس گل کی نسیم صبح خوشبو لائی بیتاب ہے دل چلاب باری کی قسم

باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے ''آسی'' ڈرتے نہیں ہو تم مرنے سے
مجنوں کے لب گور سے آتی ہے صدا مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے

پیری میں غم شباب کیا کھاتا ہے نادان' وہ لطف اب کہاں آتا ہے ؟
کیوں کر نہ بڑھاپے میں ہو چہرہ بےنور جب صبح ہوئی چراغ بجھ جاتا ہے

ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہم کو آرام سے سوتے تھے' جگایا ہم کو
پھونکی نہیں روح قالب خاکی میں در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو

یا مجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا ہر جزو بدن کو دل بنایا ہوتا

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ الٰہ آباد

کے مطبوعات

۱—از منۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات—
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ' ایم - اے ' ایل ایل ایم '
سی - بی - اے ' مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۱ روپیہ -

۲—اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب
ایم - اے - ۱ روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان ندوی - ۴ روپیہ -

۴—ناتن (جرمن ڈراما) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب -
ایم - اے ' ایم - آر ' اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۵—فریبِ عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب '
رواں - ۲ روپیہ -

۶—کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۷—قرونِ وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہو اُپادھیا
پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ' مترجمۂ منشی پریم چند -
قیمت ۳ روپیہ -

۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت ۲ روپیہ -

۹—ترقیِ زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب
ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت ۳ روپیہ -

۱۰—عالمِ حیوانی - از بابو برجیش بہادر ' بی - اے ' ایل ایل بی -
۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ' ایم - اے ' پی ایچ ڈی '
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ ' غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۲—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد
۱ روپیہ ۸ آنہ ' غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ' ایم اے -
قیمت مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ ' غیر مجلد ۳ روپیہ -

۱۴—جواہرِ سخن - جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی-
قیمت مجلد ۵ روپیہ ' غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

۱۵—علمِ باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت
مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ ' غیر مجلد ۶ روپیہ -

۱۶—انقلابِ روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونٹس آف انڈیا
سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ ' غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۷—چلد دکھنی پہلوان - از محمد نعیم الرحمان ' ایم - اے ' استاد
عربی و فارسی ' الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۱۸—تاریخ فلسفۂ سیاسیات - از محمد مجیب ' بی - اے (اکسن)
جامعۂ ملیۂ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ
غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۹—انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ
عبداللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ ' غیر
مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -

۲۰—فلسفۂ جمال - از ریاض الحسن صاحب - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -

۲۱—دیوانِ بیدار - از جلیل احمد قدوائی صاحب - ام - اے - قیمت
مجلد ۲ روپیہ ' غیر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۲۲—نفسیاتِ فاسدۂ - از معتضد ولی الرحمان صاحب ' ایم - اے - قیمت
مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ ' غیر مجلد ۸ روپیہ -

۲۳—سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آغا مہدی
حسین ' ایم - اے ' پی - ایچ - ڈی ' ڈی - لٹ - قیمت مجلد
۳ روپیہ ' غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۲۴—نظام شمسی - مترجمۂ شمبھو جگر ' بی - اے ' ایل - ٹی '
قیمت ۹ روپیہ -

ہندستانی اکیڈیمی یو - پی ' الہ آباد -

پرنٹر—غلام اصغر' سٹی پریس' الہ آباد - پبلشر—ڈاکٹر تارا چند' ہندستانی اکیڈیمی - الہ آباد -